جنگ کے بعد

(ڈراموں کا مجموعہ)

محسن علی

نام کتاب	"جنگ کے بعد" (ڈراموں کا مجموعہ)
نام مصنف	محسن علی
سن اشاعت	اکتوبر ۲۰۰۱ء
تعداد	پانچ سو
کمپیوٹر کتابت	جناب جلال الدین اکبر۔"اردو کمپیوٹر سنٹر"
	35/M/181۔1۔17 داراب جنگ کالونی۔
	مادناپیٹ۔حیدرآباد ۵۹
	فون نمبرز 4530850 / 4534596
	موبائیل 9848261465
طباعت	اویس گرافکس۔نارائین گوڑہ۔حیدرآباد
قیمت	پانچ سو پچاس روپیے 00=550 .Rs
ناشر	علی ذوذی
	8-2-603/12 ، روڈ نمبر ۱، بنجارہ ہلز، حیدرآباد
	فون 3358589 ۔ موبائل 9848203918

فہرست



ایک بات

ایک بڑا ذہن کسی بھی قسم کے تعصب سے کس قدر دور ہوتا ہے. جرمنی کے مشہور زمانہ فلسفی شاعر گیٹے نے ہمارے کالیداس جی کو ان کی مشہور و معروف تخلیق "شکنتلا" کے لیے کتنے پروقار اور معنیٰ خیز الفاظ میں خراج ادا کیا تھا۔ گیٹے نے کہا تھا۔

" KALIDASA,S SHAKUNTALA CONTAINES THE LIVELINESS OF SPRING AND THE RIPENESS OF AUTUMN"

کالیداس کے دور (چوتھی پانچویں صدی) اور گیٹے کے دور (۱۸ ویں صدی) میں ۱۳ - ۱۴ صدیوں کا فرق ہے لیکن گیٹے نے جس تازگیٔ احساس و نظر کے ساتھ اپنی بلیغ رائے کا اظہار کیا ہے - اس میں تو سچ مچ بسنت کی رت کی تازگی اور پت جھڑ کی رت کا رچاؤ ملتا ہے، کہاں کوئی قدیم اور جدید کا سبھاؤ؟ گیٹے کی رائے میں عظمتِ تخلیق کا اظہار بھی ہے اور عظمت احساس و نظر بھی۔

آج کے دور میں بھی کسی تخلیقِ ادب و شعر کے تعلق سے ہم اپنی رائے دینے کا اتنا ہی حق رکھتے ہیں جتنا کہ پہلے تھا۔ گیٹے نے کس شان حق گوئی کے ساتھ اپنی رائے دی ہے - ضروری نہیں کہ ایسی ہی رائے آپ بھی دیں اور ضروری نہیں کہ کوئی نئی یا پرانی تصنیف جو آپ تک پہنچے اس کو آپ پڑھیں بھی - لیکن ضروری یہ ہے کہ بنا پڑھے آپ اس کے تعلق سے کوئی رائے نہ دیں - آج کے دور میں یہ آپ کا ایک بہت بڑا اخلاقی کارنامہ ہوگا۔

انتساب

شہر حیدرآباد کی تہذیب کا وَقار بننے والی عظیم شخصیتِ عالی جناب ڈاکٹر سید عبدالمنان صاحب کے نام میں اپنی یہ تصنیف مُعَنوَن کرتا ہوں جن کی بُلند مرتبت و اعلیٰ ظرف شخصیت کے ہر پہلو میں، ہر گھڑی و ہر لمحہ انسانیت اور انسانیت کی سچائی محفوظ و مامون لگتی ہے۔

ہے شاہ جہاں اوّل ؛ ہے شاہ جہاں دوّم
دل پر جو ہوا حاکم ، وہ شاہ جہاں اوّل

محسن علی

ONLY TWO THINGS ARE INFINITE, THE UNIVERSE AND HUMAN STUPIDITY AND I AM NOT SURE OF THE FORMER

ALBERT EINSTEIN

اہلِ تہذیب کے ناخون میں خوں آیا ہے
زندگی جب بھی کبھی ڈھانک کے تن آئی ہے

A MAN'S METAL IS SHOWN IN CRISIS, WHEN HE STANDS ALONE.

JOHN SAVANT

ضروری پیش لفظ

نہ اپنوں کا ہی احساں ہو ، نہ غیروں کا سہارا ہو
کچھ ایسی زندگی ہو اور ایسا حوصلہ اپنا



خدارا ناخداؤ ہم کو اس طوفاں میں بہنے دو
کہاں ملتا ہے طوفاں میں کنارہ ہم سمجھتے ہیں

محسن علی

کچھ اپنے بارے میں

ہم نے پہلے کبھی اپنے تعلق سے کچھ لکھنے کی جرات نہیں کی اس لیے کہ ہمیشہ ایک حادثے سے دوچار ہونے کا اندیشہ لگا رہا جس کو خودستائی کہتے ہیں لیکن اب جبکہ یقین ہو چکا ہے کہ نہ ہم میں کوئی ایسی خاص صلاحیت ہے نہ زندگی میں کوئی ایسا کارنامہ انجام دیا ہے ہم نے جس کا ذکر کیا جائے تو وہ خودستائی کے سوائے کچھ نہ لگے ۔ کچھ الفاظ ہم اپنے بارے میں یہاں لکھنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ ہم اپنی معمولی سوجھ بوجھ میں اس بات سے بہت باخبر رہے ہیں کہ

SELF-PRAISE LEADS YOU TO THE GRAVE OF YOUR OWN IMAGE

اصل میں علم ہی ملانہ علمیت اور زندگی جس طرح بھی اب تک سمجھ میں آئی ہے اس کو بھی علم کہنے کی جرات نہیں ہوئی ۔ اسکول سے تو ایک قسم کی وحشت رہی ۔ شدید، اور زندگی کے ہر حصے میں، اسکول کے ماحول سے ایک گھن ۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم کو یہی یقین زیادہ اچھا لگتا تھا کہ اسکول اور کالج کی دیواروں سے باہر جو آزادیاں ہوتی ہیں ، ذہن و دل کو ان کی بخشی ہوئی روشنیاں کئی ماہتابوں اور آفتابوں کی دی ہوئی ہوتی ہیں جو ساری دنیا ، سارے عالم کو روشن رکھتی ہیں ۔ اسکول میں ٹھونسے بھی گئے ، وہاں پٹتے بھی رہے اور کبھی اسکول جانے سے پہلے گھر سے نکل کر کہیں بھاگ گئے اور پکڑے گئے تو یہ بھی تماشہ ہوا کہ " پا بہ دستِ دگرے ، دست بہ دستِ دگرے " اور پھر ہم اسکول میں تب بید پر بید پڑتی ، تڑاخ پڑاخ ۔ لیکن یہ پر سکون حقیقت بھی کھلی بعد کو کہ وہ بید پر بید برسانے والے ٹیچر تو ان کے اسکول کے زمانے میں ہم سے

زیادہ پٹتے رہے تھے۔ ایسا ہوا ہوگا کیوں کہ وہ ہمارے اسکول کے زمانے میں ہم کو اتنا نہ مارتے اور اتنا نہ ظلم کرتے ہم پر تو شاید ہم اسکول سے بغاوت کرنے کے جذبے میں وہ خشم و قوت پیدا نہ کر سکتے۔

بہر حال ہم تو آخر اسکول بدر ہوئے اور سچ مچ کی سزا کے طور پر دور ایک گاوں بھیج دئیے گئے۔ ایک نادر شاہ جیسے بھائی کے حکم و حکومت کے علاقے میں۔ لیکن وہاں پہنچے تو کیا لہلہاتے دن تھے کیا آزاد موسم تھے کہ جی تڑپ گیا۔ بس یہی طے کیا کہ رحم و کرم کی بھیک مانگ لیں اور سب سے التجا کر لیں کہ یہاں تو ہر قسم کی آزادی دے دیجئے اور اسکول میں پڑھانا ہی ہے تو اس پروگرام کو اگلے دنوں کے لیے اٹھا رکھیے اور پڑھنا پڑھانا اتناہی ضروری ہے تو ہماری شادی کے بعد پڑھائیے۔ جو بھی علم ملے گا سیکھ لیں گے (ہنیں بھی ملے گا تو سیکھ لیں گے) کیونکہ شادی کے بعد نوکری ووکری کر لینے کے بعد تو وہ زمانہ بھی گزر چکتا ہے جس میں آزادی کے تصور کی کتابی علم سے تعمیر ہوتی ہے اور آزادی دلانے والے قانون بنتے ہیں سوچئے وہ آزادی بھی کوئی آزادی ہوتی ہے جو قانون کے بل پر دی جاتی ہے حقیقت کو جانئے اور سمجھئے کہ قانون کی دی ہوئی آزادیوں نے ہی انسان کو پنجرے میں قید کر رکھا ہے۔ آدمی کو نڈر بنانے والے فلسفوں نے تو اس کو ڈرپوک بنا دیا ہے۔

اس گاوں میں ایک رشی صفت بزرگ نے جن کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی انہوں نے ہم سے ایک خاص بات کہی تھی۔ ان کی وہ بات ایک سچ کی پوٹ کی طرح آج بھی محفوظ ہے ہماری گرہ میں انہوں نے کہا تھا۔

"ہمارے دیش کے کسی بڑے آدمی کو ساری دنیا میں ایک بڑا آدمی اس وقت مانا جاتا ہے جب اس کے پاس یہ دو صداقت نامے ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ اس کا جنم ایک بہت ہی چھوٹے گاوں میں ہوا تھا۔ اور

۲- یہ کہ اس کا پہلا اسکول گاوں سے باہر ایک گھنے پیڑ کے سائے میں رہا تھا۔

سوچئے صاحب کہ کسی گھنے پیڑ کے سائے میں اسکول تھا تو اس میں پڑھنے والا لڑکا کیسے پڑھتا ہوگا۔ ہر طرف لہلہاتے کھیت، جنگل، سرسبز پہاڑی، بہتی چاندی جیسی ندی ---- یہاں شروع ہوتی تھی۔ دنیا کے ایک بڑے آدمی کی بدھی کی تعمیر۔

لیکن اس گاوں کے اسکول سے بھی ہم کو محروم ہونا پڑا اور پھر وہی پرانا اسکول ساتھ ----۔ ایک عمر تک اسی اسکول کے وحشت زدہ ماحول اور علم سے اکتاہٹوں کے ساتھ اسکول کی گھنٹی برابر گونجتی رہی کانوں میں --- اور ماں کی محبت جیسی زبانوں کے ساتھ انگلش زبان بھی سیکھنی پڑی، جو اپنی جگہ سوتیلی ماں بھی ہنیں لگتی تھی۔ انگلش تو زندگی بھر دشمن جاں رہی۔ سوہان روح، آخر ایک دن آہی گیا جب ہم اسکول سے آزاد ہوگئے۔

پھر بزرگوں کا فرمودہ کہ اپنے عمل سے زیادہ قسمت پر یقین رکھو۔ جب قسمت پر یقین ہوگیا تو کالج جانا پڑا۔ لیکن صاحب کیا ہنگامہ چیز تھی، وہ کالج! وہاں وہ سب کچھ دیکھا جو کبھی خواب میں بھی ہنیں دیکھا تھا۔ ہر طرف رنگ ہی رنگ۔ سرخ، سبز، لاجوردی۔ دھانی، جامنی، بنفشی--- واہ، کچھ بھی ہوش ہنیں رہا۔ لیکن ہر بات اس موذی زبان انگلش میں۔ اور وہ جتنے رنگ دنیا میں ہوسکتے تھے ان سارے رنگوں کو انگلش میں اپنا اظہار کرتے دیکھا۔ واہ رے میرے مالک، آدم تو جوان ہوتا ہے کالج میں۔ وہ بھی پوری مستیوں کے ساتھ! بس وہاں اتنا سکون تھا کہ وہ ایک Slow Poison جو بچپن سے رگوں میں سرایت کرتا رہا تھا یعنی وہ MATHAMATICS نے ہم پر رحم کردیا اور اس کے لگے داغ دامن سے، دھل گئے ہمیشہ کے لیے۔ لیکن کیا چیز ہوتے ہیں یہ

رنگ ! ان ہزار رنگوں کو جب انگلش بات کرتے ہوئے دیکھا تو ایک نشہ سا
چھا گیا ۔ کسی نے خبردار بھی کیا کہ یہاں تو سب کچھ صرف انگلش میں ہوتا ہے تو دو
تین آتشہ نشے کے انداز میں ہم نے کہہ دیا ۔

" OH, DAMN IT GET ME ONE MORE PEG"

لیکن کتنا FATAL قسم کا ہوتا ہے یہ کچا کچا عشق، صرف زہر پلاتا ہے کچھ
نشہ اترا تو لگا کہ سر تو پورا اوکلی میں ہے ۔ کوئی غیر زبان اور غیر انسان کتنے ہی
قریب رہیں آخر غیر ہی تو ہوتے ہیں ۔ اس زبان کا ایک لفظ بھی SUIT نہیں
ہوا کاروبار دل کے لیے ۔ جو اصل حیات ہوتے ہیں ۔ اپنی زبان اردو تو اپنی
جگہ بنی ہی ہے کاروبار دل کے لیے ۔ سارے رموز حیات اردو ہی نے سمجھائے
ہیں ۔ سوجھ بوجھ کی لذتوں کے ساتھ ۔ وہی جو بار بار اظہار حیات بنتی ہیں ۔
ویسے بھی کوئی علم و فلسفہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا ۔ کبھی وہ خلوص و درد دل کے
ساتھ اردو ہی سے پوچھتے رہے ہر سوال اور جواب پاتے رہے ۔ اور اپنے مزاج کا
وہ جوہر اصل عشق ۔! واہ کیا عشق کرنا سکھاتی ہے یہ زبان اردو ۔ ۔ واہ ۔

عشق یاراں میں عشق اردو ہے
عشق اردو میں عشق یاراں ہے

بہر حال آ گئے دن خزاں کے ۔ کالج چھوٹ گیا ۔ عالم یہ تھا دماغ میں علم
نے کوئی گلستاں نہیں کھلایا تھا ۔ اس کی جگہ ایک دوسرا جنگل ہی اگ آیا تھا ۔
سنا ہے کہ گناہ کے بعد دوزخ، ثواب کے بعد جنت اور کالج کے بعد شادی سے
مفر نہیں ۔ لیکن انسان کی فطرت کا ساتھ جب تک وقت نہیں دیتا اس کے
کوئی موسم نہیں بنتے ۔ دیکھا تو موسم بہاراں لال لال خرمزی سا ہے، عشق کرنا
ہی پڑا ۔ اور شادی بھی کرنی پڑی ۔ دماغ میں کالج کے اگائے ہوئے جنگل کے
ساتھ ایک جنگل ہی کی طرف جانا پڑا ۔ جہاں ہم کو کام مل گیا ۔ سروس، نوکری
وہاں ایک ایسی کمپنی تھی جس کو انگریزوں نے اپنی حکمرانی سے بس انہی دنوں

آزاد کیا تھا ۔ انگریزون کی چھوڑی ہوئی کمپنی کوئلہ کمپنی واہ ہر طرف سرخ وسفید ۔ ہر طرف اس کے چھوڑے ہوئے نشان ۔ وہاں بہت کچھ ملا ۔ لیکن کام تو کرنا پڑا ۔ کام کی طرف کبھی فطری رغبت نہیں رہی ، اسی طرح جس طرح علم کی طرف کبھی رغبت نہیں رہی ۔ لیکن جینا تھا ۔ بیگم تھیں ، اور ایک لاڈلی ، پھر آگیا ایک لاڈلا بھی ۔ اب چلی زندگی ۔ انگریزوں کی بیوٹیز تو انہی کے ساتھ جا چکی تھیں ۔ جو کچھ انہوں نے پیچھے چھوڑا تھا ان میں سے تین چیزوں نے دل موہ لیا ۔ ایک تو خوبصورت کلب ۔ ہر شام بقعہ نور بنا ہوا ٹینس کورٹ اور بار اور وہاں سب کچھ بے دام مل جاتا سوائے مئے گلرنگ کے ۔ ٹینس کے کچھ ایسے کھلاڑی تو نہیں تھے ۔ بس جیسے ایک حسینہ کے دیوانے ہوتے ہیں ، ویسے ہی ہم ٹینس کے دیوانے تھے ۔ ٹینس کی ایسی ہی لذتیں محسوس ہوتی تھیں یا سمجھیے ، ٹینس اگر منکوحہ ہوتی تو ہم سب سے زیادہ HENPECKED کہلائے جاتے ۔

بہرحال کام بھی خوب تھا ۔ جس طرح اسکول اور کالج میں عادت پڑگئی تھی طوعاً وکرہاً " پڑھنے کی ، اسی طرح کام کرتے رہے ۔ مختصر یہ کہ بہرحال اس کمپنی میں ۳۱ سال ایسی ویسی زندگی گزار کر اور اپنی زندگی کو ساتھ لیے ہم ریٹائرڈ ہوئے اور اپنے شہر عزیز کے ایک دلچسپ گوشے میں مقیم ہوگئے اور آج بھی ہیں ۔ البتہ آج اس بات پر ہم خوش ہیں کہ زندگی میں نہ علم ملا نہ علمیت اس لیے کہ آج کے دور میں ہم نے دیکھا کہ علم و علمیت سے زیادہ آوٹ آف ڈیٹ OUT OF DATE کوئی چیز نہیں ورنہ آج ہم بھی علم و علمیت کے ساتھ آوٹ آف ڈیٹ ہوجاتے اور ہماری رہی سہی " عزت سادات " بھی چلی جاتی-----

محسن علی

ڈراما "جنگ کے بعد" کی پہلی پیش کش کے بارے میں کچھ ضروری باتیں

ڈراما "جنگ کے بعد" ۱۹۵۴ء میں لکھا گیا تھا۔اور مئی ۱۹۵۶ء میں پہلی بار آل انڈیا ہندی کانفرنس منعقدہ شہر حیدرآباد میں، مشہور کلچرل تنظیم "دی فائن آرٹس اکیڈیمی" حیدرآباد کے بیانر تلے نمائش کلب حیدرآباد کے اسٹیج پر پیش کیا گیا تھا۔

اس شام کے لیے یہ بات بڑی ہی باعث توقیر تھی کہ پہلے صدر جمہوریہ ہند عالی جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب نے یہ ڈراما ملاحظہ فرمایا تھا اور وہ بہت متاثر ہوئے تھے۔اس ڈراما کی پہلی ہی پیش کش میں ایک حیرت انگیز کامیابی کا سہرا اس میں کام کرنے والے آرٹسٹوں کے سر جاتا ہے کیونکہ ان کی اداکاری غیر معمولی طور پر متاثر کن مانی گئی تھی۔خصوصاً میجر روس میں کیپٹن ظہیر کے رول میں رضی الدین علی اکبر اور کیپٹن ظہیر کی بیوی کے رول میں ناہید رضی الدین نے ناظرین پر غیر معمولی اثر چھوڑا تھا۔اور دوسرے اداکاروں نے بھی اپنے اپنے رول میں ڈرامے کے تاثر کو مکمل ثابت کیا تھا۔

اس ڈراما کو مصنف ہی نے ڈائرکٹ کیا تھا۔

اداکاروں کے نام

(۱) رضی الدین علی اکبر

(۲) ناہید رضی الدین

(۳) مظہر اسراری

(۴) رقیہ غوث شاہ

(۵) کامریڈ قمر حسن

جنگ کے بعد

(ایک ایکٹ کا ڈراما)

کردار

(۱)	کیپٹن ظہیر	ایک فوجی آفیسر
(۲)	پروین	کیپٹن ظہیر کی بیوی
(۳)	سلیم	کیپٹن ظہیر کا دوست
(۴)	شریف	بمبئی کا ایک تاجر
(۵)	رئیسہ	شریف کی بیوی

منظر: سلیم کا ڈرائنگ روم ۔ خوبصورت فرنیچر سے آراستہ کیا ہوا ۔ قیمتی صوفے ۔ قالین ۔ سامانِ آرائش بھی دیدہ زیب ہے ۔ جب پردہ اٹھتا ہے تو اسٹیج پر کوئی نظر نہیں آتا ۔ ایک لمحہ کے بعد پروین بیرونی دروازے سے داخل ہوتی ہے ۔ پروین کی شخصیت بڑی ہی دل فریب ہے ۔ چہرے مہرے سے وہ کافی خوبصورت ہے عمر ۲۵ تا ۳۰ سال ہے ۔ اسٹیج پر آکر سیدھے اندر جانے کے دروازے کا رخ کرتی ہے ۔ پھر اسٹیج پر ہی سے سلیم کو آواز دیتی ہے ۔

پروین: سلیم صاحب ۔ سلیم صاحب ۔

ظہیر: (اندر ہی سے کچھ گمبھیر آواز میں) کون ہے ؟ (کہتے ہوئے اسٹیج پر آتا ہے پروین کو دیکھ کر) ارے تم ؟ (ظہیر ایک اونچا پورا نوجوان آدمی ہے ۔ لیکن اس وقت دیکھنے میں بہت بھیانک لگتا ہے ۔ اس کا ایک ہاتھ غائب ہے ۔ اس وقت وہ پتلون پر ایک لانگ اوور کوٹ پہنا ہوا ہے اس کے ایک پیر میں کافی لنگ ہے جس کی وجہ سے وہ بیساکھی کے سہارے چلتا ہے ۔ چہرہ کچھ اس قدر

جھُلسا ہوا ہے کہ گالوں کے کچھ حصے لٹکے لگتے ہیں۔ پورا چہرہ کچھ اتنا سیاہ ہے کہ اس کی آنکھیں اس سیاہی پر صرف دو سفید دھبوں کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ بھوئیں جلی ہوئی ہیں۔ اس کے چہرہ کو دیکھنے سے ایک خوف سا ہوتا ہے)۔

پروین: (ظہیر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتی ہے، کچھ پیچھے ہٹتے ہوئے رُک رُک کے لہجے میں) آپ۔ آپ۔ کون۔ کون ہیں؟

ظہیر: اوہ۔ (ایک لمحہ کے لئے سوچتا ہے) آپ نہیں جانتیں مجھے۔ آپ نہیں پہچانتیں مجھے؟ میں ہی ہی ہی۔ آپ بھلا کیسے پہچانیں گی مجھے؟

پروین: آپ!!! نہیں۔ میں آپ کو نہیں پہچانتی۔ آپ مجھ سے ذرا دور ہی رہیے۔ بتائیے سلیم صاحب ہیں اندر؟

ظہیر: آپ گھبرائیے نہیں۔ اس وقت سوائے میرے گھر پر کوئی نہیں۔ سلیم باہر گئے ہیں وہ ابھی آجائیں گے۔ وہ مجھ سے کہہ گئے ہیں کہ کوئی آئے تو بٹھائے رکھوں۔ مگر آپ اس قدر ڈر کیوں رہی ہیں؟ میں کوئی جن یا بھوت نہیں ہوں۔ آپ ہی کی طرح ایک انسان ہوں۔ (پروین کی طرف بڑھتے ہوئے) آئیے تشریف رکھیئے، انسان انسان سے نہیں ڈرا کرتے۔ (پروین کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے) آئیے۔

پروین: (سہمی ہوئی پیچھے ہٹتی ہے) نہیں آپ میرے قریب نہ آئیے۔ (سلیم کو آواز دیتی ہے) سلیم صاحب۔ سلیم صاحب

ظہیر: (ہنستے ہوئے) پیچھے ہٹتا ہے۔ آپ مجھ سے اتنا خوف کیوں کھاتی ہیں۔ آپ کو یقین نہیں آتا کہ میں بھی انسان ہوں۔ خیر لیجئے میں آپ سے دور

ہو جاتا ہوں ۔ اطمینان سے صوفے پر بیٹھ جائیے ۔ دوبارہ میں آپ کے قریب آؤں تو دروازہ کھلا ہے ۔ آپ چلی جا سکتی ہیں ۔ میں آپ کو اپنے انسان ہونے کا ثبوت دینا چاہتا ہوں ۔ اور بتانا چاہتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ اور یہاں کیا کرنے آیا ہوں؟ بیٹھ جائیے ۔

پروین: (جھجکتے ہوئے اسی ہراسانی کے عالم میں صوفے کی طرف بڑھتی ہے) میں ۔ میں تو بیٹھ جاؤں گی لیکن پہلے یہ تو بتائیے کہ سلیم صاحب کہاں گئے ہیں؟ انہوں نے مجھے ایک ضروری کام پر بلایا تھا اور ویسے مجھے واپس بھی جلدی ہی لوٹنا ہے ۔

ظہیر: ہاں ۔ ہاں ۔ میں جانتا ہوں ۔ آپ جیسی ہستیوں کو تو صرف ضروری کام پر ہی بلایا جا سکتا ہے اور آپ کو تو ہمیشہ سے ہی عجلت رہی ہے ۔

پروین: (چونک کر) کیا مطلب ۔ کیا آپ مجھے ــــــ؟

ظہیر: (بات کاٹتے ہوئے) نہیں ۔ نہیں ۔ کچھ نہیں ۔ بس یوں ہی زبان سے کچھ ایسے الفاظ نکل پڑے ۔ جو خود میری سمجھ میں نہ آسکے ۔ خیر آپ بیٹھ تو جائیے اور بالکل نہ گھبرائیے ۔

پروین: (بیٹھ جاتی ہے)

ظہیر: میں کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا ۔ ویسے دیکھنے میں بہت بھیانک اور خوفناک ہوں ۔ آپ یقین مانیے اس سیاہ خانے میں بھی ایک بہت ہی حسین محراب ہے ۔ اور اس محراب میں ایک چھوٹا سا دیا اس طرح روشن ہے جیسے کبھی بجھے گا نہیں ۔ اور بجھے گا تو کسی کا آنچل جلا کر ۔

پروین: (صوفے سے اٹھتے ہوئے) آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں ۔ آپ کی تو کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی ۔

ظہیر: آپ نے ٹھیک ہی کہا ۔ میری باتیں آج کل کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آتیں اور آتی ہیں تو اس طرح کہ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنیٰ نکل آتے ہیں ۔ بس چلیے یہی اچھا ہوا کہ آپ نے مجھے نہیں پہچانا ۔

پروین: میں کس طرح پہچانتی آپ کو ۔ میں نے تو آپ کو کہیں نہیں دیکھا ۔

ظہیر: ہاں ۔ آپ نے مجھے کہیں نہیں دیکھا ۔ آپ مجھے کس طرح پہچان سکتی ہیں ؟ دیکھئے آپ کی طرح میں بھی سلیم صاحب کا ایک دوست ہوں ۔ اور آج کا نہیں بچپن کا دوست ۔ ہم نے ساتھ ہی تعلیم پائی ہے ۔ اور....

پروین: (بات کاٹتے ہوئے) آپ سلیم صاحب کے دوست ہیں ؟

ظہیر: جی ہاں ، ۔ اور اب میں سنگاپور میں رہتا ہوں ۔

پروین: (حیرت سے) سنگاپور!

ظہیر: ہاں ۔ آپ کو تعجب کیوں ہوا میں سنگاپور کا ایک بہت بڑا تاجر ہوں ۔ سمندروں میں میرے جہاز چلتے ہیں ۔ مشرق سے لے کر مغرب تک میری تجارت کا جال پھیلا ہوا ہے ۔ لیکن ۔ (اپنے آپ پر نظر ڈال کر) یہ حلیہ! (زور سے ہنستا ہے) آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ ایک اپاہج شخص اور اتنا دولت مند!! دولت مند ہی تو اپاہج ہوا کرتے ہیں ، عجیب دنیا ہے ۔ اور ہاں بھئی جنگ کے بعد تو ہمارا نقشہ ہی بدل گیا ۔ ہمارے کاروبار ہی بدل گئے ۔ آپ نے

زندگی کا بہت بڑا سہارا ہوتی ہے لیکن اپنا سہارا تو یہی ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے۔
(صوفے کی طرف بڑھتا ہے)

پروین: کیوں آپ کے بیوی بچے تو ہونگے؟

ظہیر: (صوفے پر بیٹھتے بیٹھتے کھڑا ہوجاتا ہے اور سوال سنکر ہنس پڑتا ہے) بیوی بچے!! (سنجیدہ ہوجاتا ہے) بیوی تو ہے اور بہت حسین بھی بس معاف فرمانا بالکل آپ جیسی۔

پروین: لیکن آپ کی بیوی.......

ظہیر: (بات کاٹتے ہوئے) لیکن یہی نا کہ میری بیوی میرے ساتھ زندگی کس طرح گزارتی ہے۔ ہر شخص کو یہی تعجب ہوتا ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ خدا کی سب سے زیادہ حسین تخلیق پیسہ ہوتا ہے جب سونے اور چاندی کا حسین ترین ملمع مجھ پر چڑھ جاتا ہے تو دنیا والوں کی نظریں خود بہ خود مجھ میں حسن تلاش کرلیتی ہیں۔

پروین: نہیں۔ نہیں میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ میں تو صرف یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کہاں رہتی ہیں۔

ظہیر: اوہ رہتی کہاں ہیں۔ بس اسی دنیا میں۔

پروین: یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔

ظہیر: (پروین کے قریب جاتے ہوئے کچھ بہکے انداز میں) آپ کیا سمجھیں گی یہ باتیں۔ سچ ہی تو کہا آپ نے "یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہی ہی ہی۔ آپ بالکل سچ کہتی ہیں یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی (پروین کی طرف ہاتھ بڑھاتا

بھی سنا ہوگا ۔ کہ جنگ میں ہزاروں گھر تباہ ہوجاتے ہیں مگر ایک گھر بس بھی جاتا ہے اس لئے جی چاہتا ہے کہ ایک اور بہت بڑی جنگ ہو اور ساری دنیا تباہ ہو جائے ۔ لیکن میرا گھر بس جائے، میرا گھر ۔ (ہنستا ہے)

پروین: یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، بھلا ساری دنیا تباہ ہونے پر کیا ملے گا آپ کو؟

ظہیر: (ہنستے ہوئے) آپ پوچھتی ہیں کیا ملے گا مجھے؟ یقین مانیئے وہ سب مل جائے گا جو میں چاہتا ہوں ۔ میں ایک نئی دنیا بسانا چاہتا ہوں ۔ مجھ جیسے اپاہجوں کی ، لولوں لنگڑوں کی مجبوروں کی دنیا ۔ پھر جنگ میں کمائی ہوئی دولت سے میں دنیا بھر کے معذوروں اور مجبوروں پر حکومت کروں گا ۔ پھر اس دنیا میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو مجھے نہ پہچان سکے گا ۔ اس دنیا میں تو مجھے میرے اپنے نہیں پہچانتے ۔ ہی ہی ہی ۔

پروین: میں پوچھ سکتی ہوں آپ کا نام کیا ہے ۔

ظہیر: میرا نام ۔ مجھے رہبرِ عالم کہتے ہیں ۔

پروین: رہبرِ عالم ۔ عجیب نام ہے ۔

ظہیر: جی ہاں ۔ یہ سنگاپوری نام ہے ۔

پروین: دیکھئے آپ بیٹھ جائیے ۔ آپ کو تکلیف ہو رہی ہوگی ۔ یہ بیساکھی کے سہارے کب تک کھڑے رہیں گے آپ ۔

ظہیر: جی ۔ شکریہ ۔ تکلیف تو ہوتی ہے ۔ لیکن آپ کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے ہم اپنی حالت پر قائم ہیں ۔ اور پھر یہ بیساکھی؟ سنتے ہیں دولت

ہے پروین پر پھر سراسیمگی کا عالم طاری ہوجاتا ہے) چلئے اندر چل کر سلیم صاحب کا انتظار کریں۔ آئیے۔

(ظہیر کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر پروین کھڑی ہوجاتی ہے اور پیچھے ہٹنے لگتی ہے)

پروین: ہنیں۔ ہنیں مجھے جلدی ہے بس سلیم صاحب آجائیں تو کہہ دیجئے کہ پروین آئی اور انتظار کرکے چلی گئی۔

ظہیر: (کھوئے ہوئے انداز میں) پروین آئی تھی۔ اور انتظار کرکے چلی گئی۔ پروین کسی کا بھی انتظار ہنیں کرسکتی۔

پروین: جی۔

ظہیر: (چونک کر) ہنیں کچھ ہنیں۔ آخر اتنی بھی جلدی کیا ہے۔ سلیم صاحب بس آتے ہی ہونگے آئیے چائے تو پیتی جائیے۔ آئیے

پروین: جی شکریہ مجھے تو معاف ہی فرمائیے۔

ظہیر: ہنیں آپ کو تو چائے پی کر ہی جانا ہوگا۔ چلئے اندر چلیں۔

پروین: لیکن.....

ظہیر: لیکن ویکن کچھ ہنیں۔ (پروین کا ہاتھ پکڑ کر) بس اب آئیے بھی۔

پروین: (بیحد پریشانی کے عالم میں) دیکھیے میری سنئیے بھی تو۔

(شریف داخل ہوتا ہے۔ ایک قیمتی سوٹ پہنے ہوئے ہے اس کے چہرے سے عیاری اور مکاری ٹپکتی ہے۔ حرکات سے بہت پھرتیلا معلوم ہوتا ہے اور بات بہت تیز کرتا ہے)

شریف: ایں ۔ یہ کیا ہو رہا ہے ؟؟

ظہیر: (پروین کا ہاتھ چھوڑ کر) آپ ۔ آپ کون ہیں ؟

پروین: (تیزی سے شریف کی طرف آتے ہوئے) ارے آپ یہاں آ گئے ؟؟ میں تو بس آ ہی رہی تھی ۔

شریف: آخر کب تک انتظار کرتا (ظہیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ۔ لیکن آپ کون ہیں ؟

پروین: آپ ۔ ہاں آپ بھئی آپ ہیں ۔ (سوچتے ہوئے) معاف فرمائیے میں آپ کا نام بھول گئی ۔

ظہیر: بہت اچھا کیا آپ نے ۔ نام بھول جانا تو ایک عام بات ہے ۔ یہ تو ایک چھوٹی سی چیز ہے یہاں تو انسان ۔ انسان کو بھول جاتا ہے ۔ خیر میرا نام تو کوئی نام ہی نہیں ۔ میں تو اپنے آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب میرا یہاں کام کیا ہے ۔ ہی ۔ ہی ۔ ہی ۔ ہی (اندر جانے کے لئے بڑھتا ہے شریف تعجب کا اظہار کرتا ہے اور پھر پروین کو اشارہ کرتا ہے کہ ظہیر پاگل سا معلوم ہوتا ہے ۔ ظہیر پھر پلٹتا ہے ۔) معاف فرمانا میں تو بھول ہی گیا (شریف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کیا میں جناب کی تعریف پوچھ سکتا ہوں ۔

پروین: اوہ ۔ ہاں آپ ہیں شریف صاحب

ظہیر: اچھا تو آپ شریف صاحب ہیں ۔

پروین: اور آپ ممبئی کے ایک بہت بڑے تاجر ہیں اور یہاں بھی اپنے بزنس کے سلسلے میں کچھ دنوں سے مقیم ہیں ۔

ظہیر: اچھا بہت خوب (ہاتھ بڑھاتے ہوئے) خوشی ہوئی آپ سے مل کر

شریف: (جھجکتے ہوئے ہاتھ بڑھاتا ہے) جی شکریہ (ظہیر اس کی جھجک کو محسوس کرتے ہوئے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے)

ظہیر: توبہ معاف فرمانا - یہ ہاتھ ملانے کی بھی عجیب بے ڈھنگی رسم پڑگئی ہے۔ میں دستانہ پہننا بھول گیا (اپنے آپ سے) میں بھی عجیب آدمی ہوں - دستانہ پہننا بھول گیا - جانے کہاں رکھا ہے دستانہ (دونوں سے مخاطب ہوکر) معاف فرمائیے میں ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں - آپ لوگ چاہیں تو سلیم صاحب کا انتظار اندر بیٹھ کر بھی کرسکتے ہیں پھر جیسے آپ لوگوں کی مرضی (اندر چلا جاتا ہے - پروین اس کو بغور دیکھتی ہے)

پروین: بہت عجیب آدمی ہے -

شریف: عجیب آدمی - اجی میں تو کہتا ہوں کہ یہ کوئی آدمی بھی ہے یا کوئی ------

پروین: (بات کاٹ کر) پتہ نہیں کون شخص ہے، آج جب میں یہاں آئی تو پہلے مجھے یہی ملے - انھیں دیکھ کر تو میں اتنا ڈر گئی کہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن بھاگ نہ سکی ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے پیر جکڑ لیے ہیں جب وہ مجھ سے باتیں کرنے لگے تو مرا دل کچھ عجیب انداز سے دھڑکنے لگا - (کچھ کھوئے ہوئے) جیسے - جیسے وہ -----

شریف: توبہ بھئی عورتیں بھی بڑے کچے دل کی ہوتی ہیں - اس شکل کو دیکھ کر کون نہیں ڈریگا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اب تک اندر ہی اندر

کانپ رہی ہو۔

پروین: سچ ہے۔ میرا دل اب تک اسی طرح دھڑک رہا ہے۔ (شریف کے قریب ہو جاتی ہے)

شریف: لیکن اب تو میں پاس ہوں تمہارے۔

پروین: (پریشانی سے اندر دیکھتی ہے) آپ پاس ہیں نا میرے؟

شریف: ہاں۔ہاں تم سے بالکل قریب اور جب تک تم چاہو تمہارے پاس ہی رہوں گا۔

پروین: میں جب تک چاہوں آپ میرے پاس رہیں گے نا۔

شریف: بھئی توبہ۔ تم تو کچھ اور ہی بن گئی ہو۔ چھوڑو اس بات کو یہ تو بتاؤ سلیم کہاں ہیں؟

پروین: (چونک کر) کیا کہا آپ نے۔ہاں۔ سلیم صاحب، وہ کہیں باہر گئے ہوئے ہیں، جب میں نے یہاں آکر سلیم صاحب کو آواز دی تو۔ یہ شکل سامنے آگئی۔ یقین مانئے میری تو حالت ہی کچھ عجیب ہوگئی تھی، اس وقت، کتنی بھیانک شکل ہے اُن کی؟ کتنی بھیانک!!

شریف: خیر، بھئی چھوڑو اس بات کو، جانے سلیم صاحب کب آئیں گے؟ اور ان کا زیادہ انتظار کرنا بیکار ہے کلب میں، سبھی ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے، ممکن ہے سلیم صاحب وہیں آجائیں، چلو ہم بھی وہیں چلیں، دیر ہو رہی ہے۔ (دونوں جانے کے لیے بڑھتے ہیں) لیکن چلنے سے پہلے میں صاف صاف تمہیں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ذرا ذرا سی باتوں پر یوں خواہ مخواہ اپنی طبیعت بگاڑ

لیا نہ کرو۔

پروین: آپ سچ کہتے ہیں لیکن کچھ دنوں سے کئی ایسے واقعات پیش آرہے ہیں کہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔

شریف: بھئی ایسے کونسے غیر معمولی واقعات پیش آگئے، آخر ہوا کیا ہے؟ دیکھو پروین جب انسان اپنے بل بوتے پر کوئی اقدام کرتا ہے تو اقدام سے پہلے اس کے دل میں کچھ ایسے ہی وسوسے آتے ہیں اور دل بھی بیٹھنے لگتا ہے۔ لیکن ایک بار وہ اقدام کر چکتا ہے تو اس کے نتائج کا سامنا کرنے کے لئے ہر طرح تیار ہو جاتا ہے۔

پروین: لیکن میں تو کوئی اقدام نہیں کر رہی ہوں۔

شریف: بس۔ بس تمہارا یہی کہنا تو میری بات کا ثبوت ہے' اب تم چپ چاپ میری ایک بات سن لو۔

پروین: کہئے۔

شریف: دیکھو پروین۔ چونکہ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ میری ہر بات پر تم صرف ہاں ہی کہہ سکتی ہو۔ اس لئے کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے انتظام مکمل کر لیا ہے۔

پروین: جی۔ کس بات کا انتظام؟

شریف: اوہو۔ تم مجھے پوری بات تو کہنے دو پروین۔ تمہارے بیوہ ہو جانے کا جتنا غم مجھے ہے شاید ہی کسی اور کو ہوگا۔ کیپٹن ظہیر کی موت سے تو مجھے بھی بیحد صدمہ پہنچا تھا۔ وہ میرے بھی اچھے شناسا تھے (ٹھنڈی آہ بھر کر)

لیکن جنگ میں کیا کچھ نہیں ہو جاتا ۔ جنگ تو ساری دنیا کو بیوہ بنا ڈالتی ہے ۔ ساری دنیا کا سہاگ لوٹ لیتی ہے ۔ جنگ دنیا کے سہاگ کی چتا ہی تو ہوتی ہے ۔

پروین: سچ ہے ۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے وہ اپاہج چاہتا ہے کہ ایک اور جنگ ہو، اور ساری دنیا تباہ ہو جائے ۔

شریف: پھر تم نے اس کی بات کی ۔ وہ شخص تو ہاتھ پاوں کے ساتھ ساتھ دماغ سے بھی مفلوج معلوم ہوتا ہے ۔ خیر تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ کیپٹن ظہیر کی موت کا غم تم سے بڑھ کر کسی اور کو نہیں ہو سکتا ۔ لیکن وہ میرے بھی تو اچھے شناسا تھے ۔ اور پھر اچھے آدمی کی موت کا غم کسے نہیں ہوتا ۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ ۔ پروین تم سے ملاقات ہوئی بھی تو انکی موت کے بعد شاید قسمت کو یہی منظور تھا ۔

پروین: لیکن اس میں عجیب بات کیا ہو؟

شریف: یہ آپ کیا سمجھیں گی (پروین کے قریب آتے ہوئے) اتنے حسین پھول کو دیکھا بھی تو کب جب کہ وہ ڈالی سے ٹوٹ کر بیوگی کی دھوپ میں پڑا کملا رہا تھا ۔ (پروین کچھ شرمائی اور گھبرائی ہوئی نظروں سے شریف کی طرف دیکھتی ہے) اب یہ سب کچھ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا پروین ۔ اسی لیے میں آج تم سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں نے انتظام مکمل کر لیا ہے ۔ اب ہم کو زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہیے ۔

پروین: (گھبرائے ہوئے) کس بات کا انتظام؟

شریف: بھئی اتنی سی بات سمجھ نہیں سکتی تم ۔ (بناوٹی سنجیدگی سے) اگر

میری باتیں تمہیں تکلیف پہنچاتی ہیں تو مجھے معاف کردو۔ وہ تو میں نے یہ سوچ کر کہا تھا کہ تم کو اس بارے میں کچھ عذر نہیں ہوگا۔ عذر کی کوئی وجہ بھی تو نہیں ہوسکتی تم اپنی مرضی کی آپ مختار ہو اور پھر دنیا کی نظر میں تمہاری شادی کوئی غلط حرکت بھی تو نہیں ہوسکتی۔

پروین: اس وقت مجھ سے کچھ نہ پوچھیئے میرا جی گھبرا رہا ہے چلئے، میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی۔

شریف: ہاں۔ ہاں چلو۔ کہیں اور چلیں۔

(جب دونوں باہر چلے جاتے ہیں تو ظہیر طنزیہ ہنستے ہوئے داخل ہوتا ہے اور باہر کا رخ کرتا ہے۔ دروازے کے قریب جاکر پھر لوٹتے ہوئے)

ظہیر: تم نے بھی نہیں پہچانا؟ آخر چلی گئیں۔ بس تم ہی ایک آخری امید تھیں ایک ایسی امید جس میں ابھی کچھ تھوڑا سا زندگی کا لطف باقی تھا۔ جب آخری امید بھی انسان کا ساتھ چھوڑدے تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ (سوچتے ہوئے) اسے کیا کرنا چاہیے؟ (صوفے پر بیٹھ کر ہنس پڑتا ہے اور اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر دیکھتا ہے) ہوں! جنگ سے پہلے۔ (اپنے سارے بدن پر نظر ڈال کر ایک قہقہہ لگاتا ہے) اور جنگ کے بعد۔ ہا، ہا، ہا، ہا (قہقہہ)۔ لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ (کچھ سوچ کر تصویر کو اپنے ایک ہاتھ اور دانتوں کی مدد سے اس طرح پھاڑتا ہے جیسے دو شکلوں کو جدا کر رہا ہے۔ اور پھر دونوں ٹکڑوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھتا ہے) اب یہ کبھی نہ مل سکیں گے۔ اور اگر مل بھی جائیں تو ایک ٹیڑھی، میڑھی سی لکیر ان کے بیچ ہمیشہ حائل رہے گی۔ (قہقہہ

لگاتا ہے) لیکن ان ٹکڑوں کو جلا کیوں نہ دوں۔آج انھیں جلا کر خاک کردوں گا جیب سے دیا سلائی نکالتا ہے) پہلے کسے جلاؤں؟ اپنے آپ کو؟ ہنیں پہلے وہ۔ ہنیں پہلے میں۔(ایک پاوں کے نیچے دیا سلائی کی ڈبیا رکھ کر دیا سلائی جلانے کی کوشش کرتا ہے، جلا ہنیں سکتا۔چڑ کر) میں اپنے آپ کو جلا بھی ہنیں سکتا۔

(باہر سے سلیم داخل ہوتا ہے)

(سلیم ایک شاندار سوٹ پہنے ہوئے ہے۔اس کی عمر کچھ چالیس سے اوپر ہے۔بات چیت سے بہت ہی باوقار اور سیدھا سادا آدمی معلوم ہوتا ہے)

سلیم: ارے۔ارے بھئی یہ کیا کر رہے ہو؟

ظہیر: اپنی تصویر جلا رہا ہوں۔

سلیم: (ظہیر کے ہاتھوں سے تصویر لیتے ہوئے) ہنیں۔ ہنیں بھئی یہ کس لیے؟

ظہیر: اس لیے کہ میں خود جلا ہوا ہوں۔

سلیم: (تصویر دیکھ کر) یہ تو پروین کی تصویر ہے۔

ظہیر: وہ بھی جلنے ہی والی تھی۔

سلیم: دیکھو ظہیر اتنے جذباتی نہ بنو کہ کسی بات کو سلجھانے سے پہلے اسے اور بگاڑ دو۔

ظہیر: بات بگڑنے کے بعد ہی تو سلجھتی ہے سلیم صاحب آج وہ سب کچھ ہوگیا۔جس کا مجھے یقین تھا (صوفے سے اٹھتے ہوئے۔کچھ جھنجھلائے ہوئے) لیکن ---- لیکن۔یہ یقین رکھتے ہوئے بھی میں یہاں کیوں آگیا۔ بعض

وقت انسان کتنا بے معنیٰ ہو جاتا ہے۔ ایک چھوٹی سی آس انسان کو کتنا بھٹکا دیتی ہے میں یہاں نہ آتا تو مجھ سے میرے اپنے ملتے ہی کیوں اور مجھے اتنا دکھ کیوں دیتے میری بیوی مجھے دیکھ کر کانپ جاتی ہے چیخ اٹھتی ہے جیسے میں انسان نہیں ایک بھوت ہوں۔ بھوت۔

سلیم: (غمگین لہجے میں) ظہیر تمہیں یہ غم ہے کہ پروین تمہارے غم میں شریک نہ ہو سکی لیکن اس میں اس کا کیا قصور ہے۔ اس کا امتحان لے کر کیا کرو گے؟

ظہیر: امتحان!! امتحان تو میں اپنے آپ کا لے رہا ہوں۔ وہ گھڑی کتنی کٹھن ہوتی ہے جب انسان خود کا امتحان لیتا ہے۔

سلیم: یوں اپنا جی جلا کر تمہیں کیا ملے گا۔ تم تو ایک فوجی افسر ہو اور بڑے حوصلہ مند اور خوب جانتے ہو کہ باہمت لوگ ایک راہ سے چل کر منزل نہیں پاتے۔ تو دوسری راہ تلاش کر لیتے ہیں۔

ظہیر: مگر میری تو کوئی منزل ہی نہیں یوں ہی کتنی راہوں پر بھٹکتا پھروں۔ کل تم ہی مجھے پاگل کہو گے۔

سلیم آخر کرنا کیا چاہتے ہو۔

ظہیر: بس ایک کام --- وہ یہ کہ پروین کی شادی پر اسے ایک حسین تحفہ دینا چاہتا ہوں۔

سلیم: (انتہائی تعجب سے) پروین کی شادی -----!!

ظہیر: ہاں پروین کی شادی ----- اور شریف صاحب کے ساتھ۔

(تصویر کے ٹکڑوں کو نیچے پھینک دیتا ہے۔)

سلیم: یہ کیسی باتیں کر رہے ہو تم۔ کہیں پاگل تو۔۔۔۔۔

ظہیر: پاگل۔۔۔! کہا نا تم نے مجھے پاگل۔ لیکن میں پاگل نہیں ہوں۔ وہاں پورا انتظام ہو چکا ہے۔ تمہیں شاید علم نہیں۔

سلیم: مجھے تو اس بات پر یقین نہیں آتا۔

ظہیر: یقین بھی آجائے گا۔ ابھی تو تمہیں بہت سی باتوں پر یقین کرنا ہے۔

سلیم: لیکن شریف صاحب تو۔۔۔۔

ظہیر: (بات کاٹ کر) ہاں۔ ہاں۔ شریف صاحب تو بے حد شریف آدمی ہیں۔ اور بہت ہی نیک قدم۔ اور پھر انھیں کون نہیں جانتا۔

سلیم: تو کیا تم انھیں جانتے ہو؟

ظہیر: بس اس قدر کہ وہ آدمی ہے۔ اور ایک ایسا آدمی جسے ہم تم صرف آدمی کہہ سکتے ہیں۔

سلیم: ہاں۔ یقیناً۔ آدمی تو ہے۔ لیکن کس قسم کا؟

ظہیر: ایک خاص قسم کا۔ تمہیں یہ سن کر بے حد تعجب ہوگا کہ اس شخص کو میں تقریباً دس سال سے جانتا ہوں۔ اس نے علی گڑھ میں میرے ساتھ تعلیم پائی تھی۔ اور اب تک بظاہر اس کی دو شادیاں ہو چکی ہیں۔

سلیم: دو شادیاں ہو چکی ہیں!!

ظہیر: ایک بیوی تو شاید مر چکی۔۔۔ ہاں دوسری ابھی زندہ ہے۔

میرے ایک فوجی ساتھی کی بہن ۔ وہ بہن جو اس دنیا میں اکیلی ہے ۔ اور اپنے بھائی کا انتظار کرتی ہے ۔ (درد بھرے لہجے میں) لیکن وہ بھائی اب کبھی نہیں لوٹے گا ۔ اس کی بہن اپنے بھائی کا عمر بھر انتظار ہی کرتی رہ جائے گی ۔

سلیم: کہاں رہتی ہے وہ؟

ظہیر: ممبئی میں ۔ اسے بھی تو اس کے شہید بھائی کا دیا ہوا آخری پیام پہنچانا ہے ۔

سلیم: تو پھر ہم انھیں کیوں نہ اطلاع کر دیں کہ شریف صاحب یہاں یہ گُل کھلا رہے ہیں ۔

ظہیر: یوں نہ کرو ۔ میرے پاس اس کا پتہ ہے ۔ آج ہی ایک تار دے دو کہ شریف بے حد بیمار ہیں اور وہ فوراً چلی آئیں ۔ انھیں اس گھر کا پتہ دینا ۔ کل شام یا پرسوں صبح وہ یہاں پہنچ سکتی ہیں ۔ پھر دیکھنا یہاں کیا ہوتا ہے ۔ (کچھ سوچتے ہوئے) ان کے یہاں آجانے پر پروین اور شریف کو بھی کسی وقت تم یہاں بلا لینا ۔

سلیم: یہ تو سب کچھ ہو جائے گا لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پروین نے یہ فیصلہ کیونکر کر لیا ۔

ظہیر: وہ اور کیا کرتی اس کے لیے بھی تو کوئی اور راہ نہیں ہے لیکن اسے یہ خبر نہیں کہ اس راہ میں اس کی کوئی منزل نہیں ۔

سلیم: تم خود اسے اپنی حقیقت کیوں نہیں بتا دیتے ۔

ظہیر: (قہقہہ لگاتا ہے ۔ اپنے بدن پر نظر ڈالتے ہوئے) میں کیا چیز ہوں ۔

میں تو ایک چلتی پھرتی لاش ہوں ۔ایک بھوت ہوں اور جنگ یا سمجھو موت کا ایک نامکمل شاہکار ---- اگر یہ خوفناک ہاتھ اسے چھولے تو شاید وہ خود زندگی کی ایک بدترین شکل بن جائے ۔ (ہنستا ہے پھر یکلخت سنجیدہ ہو جاتا ہے)
میں تو دنیا کے لئے کب کا مرچکا۔

سلیم: لیکن ایسا کیوں ہوا ۔ تم زندہ ہونے پر بھی تمہاری موت کی خبر کیسے مشہور ہوگئی؟

ظہیر: اس میں تعجب کی کیا بات ہے ۔ایندھن کو بھٹی میں جھونک دینے کے بعد کیا وہ جل کر خاک نہیں ہو جاتا ۔مجھے تو بس اتنا یاد ہے کہ ایک بہت بڑی بھٹی کے اندر لپکتے ہوئے شعلوں میں مجھے جھونک دیا گیا ۔ اور بس ---- اس کے بعد جو آنکھ کھلی تو ہسپتال کی عمارت میں. جہاں شاید میرے ساتھی بھی مجھے پہچان نہیں سکے جب میں نے آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں مرچکا ہوں ۔ اور ایک قبر میں پڑا ہوا ہوں ۔ کئی دن تک بات نہ کرسکا اور جب تک شاید میری موت کی خبر ہر طرف پھیل چکی تھی۔ کئی دن کی علالت کے بعد جب میں ہسپتال سے نکلا تو ایک نئی زندگی، نیا روپ اور ایک نیا نام لیکر ۔ اور میں نے دیکھا کہ دنیا بھی میرے لیے ہر طرح نئی ہو چکی ہے یہ نئی دنیا ۔ ہی ۔ ہی ۔ ہی ---- (سناٹا سا چھایا ہوا ہے ۔ سلیم پر رقت طاری ہے ۔ سلیم جھجکتے ہوئے ۔ رکتے ہوئے ظہیر سے مخاطب ہوتا ہے)

سلیم: لیکن تم مجھے اجازت دو تو ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ تم پروین سے کیوں نہیں کہہ دیتے ۔

ظہیر: اسے بھی معلوم ہو جائے گا۔ اس کا بھی وقت آگیا ہے ۔ تم جا کر ممبئی کو تار تو دے آو (اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر) یہ رہا اس کا پتہ ۔

سلیم: ہاں ۔ میں تار دے آتا ہوں ۔ (باہر جانے لگتا ہے)

ظہیر: ذرا جلدی لوٹنا، تنہائی میں بہت سے ارادے بدل جاتے ہیں ۔

سلیم: میں ابھی واپس آتا ہوں ۔ (چلا جاتا ہے)

(ظہیر بیساکھی سے کھیلتے ہوئے سوچتا ہے اور ہنستا ہے)

(پردہ گرتا ہے)



(دوسرا سین)

(وہی ڈرائنگ روم سلیم بہت ہی قیمتی سوٹ میں ملبوس صوفے پر بیٹھے ہوئے ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے ۔ سگریٹ سلگا کر اپنی گھڑی دیکھتا ہے باہر شریف کے قہقہہ کی آواز پر چونک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور باہر کا رخ کرتا ہے شریف ہنستے ہوئے پروین کے ساتھ داخل ہوتا ہے ---- دونوں بہت ہی دلکش لباس پہنے ہوئے ہیں)

سلیم: خوش آمدید شریف صاحب، آو پروین (پروین کچھ بے چین نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے)

شریف: کیوں بھئی خیر تو ہے؟ آج تو معمول سے زیادہ عزت بخشی جا رہی ہے ۔

سلیم: وہ تو ہمارے دل سے پوچھئے کہ آپ دراصل کتنی زیادہ عزت کے حقدار ہیں۔

شریف: آج تو زبان اور لباس دونوں ہی بہت اونچے قسم کے معلوم ہوتے ہیں۔

سلیم: (ہنستے ہوئے) زبان اور لباس ہی سے تو انسان پرکھا جاتا ہے اور یہی دو چیزیں تو انسان کو وقار اور عزت بخشتی ہیں۔ (پروین سے) کیوں پروین تم کیوں خاموش ہو؟

شریف: اوہ۔ پروین! بھئی ہنیں معلوم کیا بات ہے۔ دو تین دن سے یہ کچھ غیر معمولی طور پر خاموش بھی ہیں اور پریشان بھی۔ کل تو کلب بھی ہنیں آئیں

سلیم: کیوں پروین مزاج تو ٹھیک ہیں؟

پروین: (چونک کر) جی۔ جی ہاں۔ بہت اچھی ہوں۔ بس آج کل جی کچھ اداس سا رہنے لگا ہے۔

شریف: سلیم صاحب یہ عورتیں بڑی آسانی سے وہم کا شکار ہو جاتی ہیں۔

سلیم: پروین کو اور وہم؟ یہ کس بات کا؟

شریف: بس انہیں سے پوچھئے۔

سلیم: کیوں پروین آخر بات کیا ہے؟

پروین: کچھ بھی تو ہنیں سلیم صاحب۔ دراصل شریف صاحب خود اس

وہم کا شکار ہیں کہ مجھے وہم ہوگیا ہے ۔ اور خود ان کو بہت سے وہم ہوگئے ہیں ۔ جن میں سے ایک وہم یہ ہے کہ ان کو وہم نہیں ہوتا ۔

شریف: (کچھ ہنستے ہوئے) بھئی واہ، وہم کی گردان تو تم خوب جانتی ہو ۔

سلیم: میں تو سمجھتا ہوں ۔ پروین آپ کی بھی گردان خوب جانتی ہے شریف بن شریف بن شریف-----

شریف: بن شریف (کچھ کھسیانی ہنسی کے ساتھ) بھئی خوب آپ تو آج صرف حملوں پر تلے ہوئے ہیں ۔ آپ اور پروین نے کچھ بھی سوچ کر تو نہیں بلایا ہے مجھے؟

سلیم (ہنستے ہوئے) نہیں بھئی---- معاف فرمانا وہ تو میں بھول ہی گیا---- بات یہ ہے کہ وہ میرے ایک اپاہج دوست آئے ہوئے ہیں نا؟

پروین: (حیرت سے) وہ ابھی یہیں ہیں!

سلیم: کیوں تمہیں تعجب کیوں ہوا ۔ وہ یہیں ہیں ۔ آج تو ان کی بیوی بھی ممبئی سے یہاں آگئی ہیں ۔

پروین: ان کی بیوی آئی ہیں! کہاں ہیں؟

شریف: (تعجب سے) کیا واقعی ان کی کوئی بیوی بھی ہے ۔

سلیم: بھئی اس میں تعجب کی کیا بات ہے ۔ ان کی بیوی ہے اور (پروین کی طرف دیکھتے ہوئے) بہت حسین بھی ہے ۔ وہی آپ لوگوں سے ملنا چاہتی ہیں ۔ اس لیے آپ لوگوں کو تکلیف دی گئی ہے ۔

(پروین سہمی ہوئی نظروں سے بار بار اندر کی طرف جھانکتی رہتی ہے ۔

شریف: اچھا تو یہ بات ہے۔ پروین سنبھل جاو۔

سلیم: کیوں کیا بات ہے؟

شریف: سلیم صاحب معاف فرمانا۔ بس اس اپاہج شخص کو دیکھ کر یہ اتنا ڈر گئی ہیں کہ ان پر اب تک وحشت طاری ہے۔

سلیم: (شریف کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے) آپ بھی تو کچھ ڈرے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں۔

شریف: میں اور ڈر!! (قہقہہ لگاتا ہے اندر سے ظہیر اور رئیسہ داخل ہوتے ہیں ظہیر اسی لباس میں ہے۔ رئیسہ بہت ہی خوش پوش ہے۔ اس کے چہرے سے غصہ اور ڈر کے ملے جلے اثرات نمایاں ہیں شریف ہنسے جا رہا ہے۔ لیکن جیسے ہی اس کی نظر رئیسہ پر پڑتی ہے اس کی گھگّی سی بندھ جاتی ہے۔ رئیسہ کو بغور دیکھنے لگتا ہے)

ظہیر: اوہ شریف صاحب (پروین سے) اور آپ بھی آگئیں؟ معاف فرمانا ہمیں کچھ دیر ہو گئی۔ (شریف بیحد پریشان ہے) شریف صاحب ان سے ملئے یہ ہیں میری بیوی رئیسہ۔ (رئیسہ سے) اور آپ ہیں مسٹر شریف۔

شریف: (ہراسانی کے عالم میں) لیکن ---- لیکن ---- یہ آپ کی بیوی ہیں!؟ (پروین کی طرف گھبرائی نظروں سے دیکھتا ہے)

ظہیر: (اطمینان سے) رئیسہ آپ سے ملو۔ آپ ہیں پروین۔

(پروین: بے حد پریشان ہے. آداب کہہ کر خاموشی سے منہ تکتی ہے)

ظہیر: رئیسہ یہ شریف صاحب ایک بہت بڑے تاجر ہیں اور یہاں بھی

اپنے بزنس کے سلسلے میں آئے ہوئے ہیں اور اپنے کاروبار سے انہیں فرصت ہی نہیں ملتی بڑی مشکل سے آئے ہیں وقت نکال کر۔

رئیسہ: (بناوٹی انداز میں) مجھے خیال پڑتا ہے۔ میں نے شریف صاحب کو کہیں دیکھا ہے۔ (شریف کی طرف دیکھ کر) کیوں شریف صاحب آپ کا کیا خیال ہے؟

شریف: (رک رک کر گھبراہٹ میں) جی وہ --- ہاں، ہاں ہو سکتا ہے (اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہے) معاف فرمانا مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا۔ مجھے اجازت دیں تو نوازش۔

پروین: کیوں شریف صاحب آپ کچھ پریشان سے معلوم ہوتے ہیں۔

شریف: نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ پروین تم یہیں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔

رئیسہ: بھئی ایسی بھی کیا عجلت ہے۔ تھوڑی دیر تو ٹھہر جائیے --- اوہ مجھے یاد آیا۔ بمبئی میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ آپ میرے گھر آئے تھے نا؟

سلیم: بھئی شریف صاحب کے کاروبار اتنے وسیع ہیں کہ لاکھوں آدمیوں سے ملنے کا انھیں اتفاق ہوتا ہے۔ کس کس کو یاد رکھیں گے۔ کیوں شریف صاحب؟

شریف: ہاں ہاں۔ ٹھیک فرماتے ہیں آپ ---- میں تو ----

رئیسہ: ارے توبہ، شریف صاحب مجھے ٹھیک طور پر تو اب یاد آیا کہ آپ سے کہاں ملاقات ہوئی تھی --- وہ میجر عزیز کی بہن آپ کی بیوی ہیں نا؟

پروین: آپ کی بیوی!!

شریف: وہ ---- جی ---- وہ ۔ ہاں ۔ (پروین سے) نہیں پروین میری کوئی بیوی نہیں ۔

سلیم: بھئی کیا کاروبار میں بیوی کو بھی بھول گئے ۔ واہ!

شریف: جی ۔ شاید ---- وہ دراصل ایک موٹر کے حادثے نے میری پچھلی یادداشت کھودی ۔

رئیسہ: حادثہ! ---- یادداشت! ---- یہ کب کی بات ہے؟

پروین: اس کا ذکر آپ نے مجھ سے نہیں کیا؟

رئیسہ: بڑے افسوس کی بات ہے ۔ اب اس بیچاری کا کیا ہوگا ۔ سنتے ہیں ایک حادثے سے اگر یادداشت کھو جائے تو اسی قسم کے دوسرے حادثے سے یادداشت لوٹ بھی آتی ہے ۔

ظہیر: حادثہ! ---- کئی حادثے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی زد میں آنے والا شخص ہی دوسروں کو یاد نہیں رہتا ۔ سب اسے بھول جاتے ہیں ۔

(پروین کبھی شریف کو اور کبھی ظہیر کو دیکھتی ہے)

پروین: (رئیسہ سے) کیا واقعی شریف صاحب کی شادی ہو چکی ہے؟

رئیسہ: جی ہاں ۔ میں تو یہ ہی سمجھتی ہوں ۔ اس لیے کہ ان کی بیوی کو میں خوب جانتی ہوں لیکن ----

شریف: (بات کاٹ کر) خیر خیر کسی دوسرے حادثے کا انتظار کیجئے شاید میری یادداشت لوٹ آئے ۔

رئیسہ: میں تو سمجھتی ہوں کہ وہ حادثہ بھی واقع ہوچکا ہے۔ اور آپ کی یادداشت اب لوٹ رہی ہے۔

شریف: جی، وہ کونسا حادثہ؟

رئیسہ: (تن کر) یہاں پر میرا وجود!

شریف: کیا مطلب؟

رئیسہ: مطلب یہ کہ اگر میں آپ سے شادی کرلوں تو ممکن ہے یہ بھی آپ کے لیے ایک حادثہ ثابت ہو اور آپ کو آپ کی بیوی یاد آجائے۔

شریف: یہ کیا خطرناک مذاق کررہی ہیں آپ

رئیسہ: ایک خطرناک مذاق کے حقیقت بن جانے ہی کو حادثہ کہتے ہیں۔

شریف: لیکن آپ تو (ظہیر کی طرف اشارہ کرکے) آپ کی بیوی ہیں۔

ظہیر: یہ صحیح ہے۔ لیکن اس میں مجھے کوئی اعتراض ہنیں۔ آپ دونوں خوشی سے بیاہ رچا سکتے ہیں

رئیسہ: لیجئے اب تو مان جائیے۔ اور اب میرے ساتھ (شریف کا بازو پکڑ کر) آئیے۔

شریف: لیکن ---- ذرا سنئیے بھی تو۔ ذرا ------

رئیسہ: بہت بہانے ہوچکے شریف صاحب اب چلئے بھی۔ (پروین سے) پروین بہن مجھے معاف فرمائیے۔ میری بے باکی بہت کھل رہی ہوگی۔ آپ کو --- لیکن ---- لیکن کیا بتاؤں (یکلخت سنجیدہ اور غمگین ہوجاتی ہے) یہ

واقعہ دراصل میری زندگی کا ایک بہت بڑا حادثہ ہے۔ شاید پہلی بار آپ اور میں اس شخص کو اس کے اصل روپ میں دیکھ رہے ہیں ------ آئیے میں آپ کا دوبارہ ان سے تعارف کرادوں آپ ہیں میرے شوہر---- اور مجھ سے بھی دوبارہ مل لیجئے میجر عزیز کی بہن جسے یہ بُھلا چکے ہیں۔

پروین: شریف صاحب---- (سلیم کا بازو تھام لیتی ہے)

شریف: (پروین کے قریب جاتے ہوئے) یہ سب غلط ہے پروین مجھے بنایا جارہا ہے۔

پروین: آپ مجھ سے دور ہی رہیں تو مناسب ہوگا۔

شریف: پروین-----!!

پروین: سلیم صاحب میری طبیعت بہت گھبرا رہی ہے۔ مجھے اجازت دیجیے میں گھر جانا چاہتی ہوں۔

شریف: پروین تم خواہ مخواہ پریشان ہورہی ہو۔ یہ لوگ تمہیں بھٹکا رہے ہیں۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ (پروین کی طرف بڑھتا ہے۔ رئیسہ اس کا بازو پکڑ کر کھینچتی ہے)

رئیسہ: شریف صاحب اب ان کھوکھلی ہمدردیوں سے کچھ نہیں بن پڑے گا------ پروین کا خیال رکھنے والے سلامت رہیں انسان کے بھی عجیب روپ ہوتے ہیں۔ کبھی وہ انسان کی شکل میں بھوت ہوتا ہے کبھی بھوت کی شکل میں انسان-----

ظہیر: رئیسہ تم نے جذبات میں آکر بڑی اچھی بات کہہ دی۔ میں تمہارا

مشکور ہوں ۔

رئیسہ: لیکن میں کچھ اور کہوں تو شاید آپ کو بے حد تکلیف ہو۔۔۔ آپ کی ہمدردیوں نے میرے جذبات کو میرے قابو سے باہر کر دیا ہے۔ (پروین کو اور ظہیر کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے۔ رک کر) پروین بہن انھوں نے میرا سہاگ مجھے واپس دلایا ہے۔ میں آپ کو آپ کا سہاگ یعنی (ظہیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کیپٹن ظہیر واپس دیتی ہوں۔

ظہیر: (چونک کر غصہ سے چیختا ہے) رئیسہ!! (طیش میں آجاتا ہے بیساکھی تھر تھرانے لگتی ہے)

پروین: (ظہیر کو غور سے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے) ظہیر!! (ایک ہلکی سی چیخ مار کر سلیم کے بازو سے لپٹ کر رونے لگتی ہے)

شریف: (رکتے رکتے بے حد خوفزدہ انداز میں) کون! کیپٹن ظہیر۔ (دھیرے دھیرے کھسکتا ہوا باہر چلا جاتا ہے)

ظہیر: رئیسہ۔ تم نے بہت برا کیا۔۔۔ بہت برا۔۔۔ (پروین سے) آپ روتی کیوں ہیں رئیسہ نے سچ نہیں کہا۔۔۔ یہ سب جھوٹ ہے۔

رئیسہ: لیکن ظہیر بھائی اس میں برائی کیا ہے۔ آخر کب تک حقیقت کو چھپایا جائے گا؟

پروین: (روتے ہوئے) آخر مجھ سے یہ بات چھپائی کیوں گئی۔ مجھے کیوں آزمایا گیا؟

ظہیر: میں نے کسی کو نہیں آزمایا۔ میں نے تو خود اپنا امتحان لیا ہے۔

رئیسہ: لیکن اس سے آپ کا مقصد؟

ظہیر: مقصد؟ نہ میرا کوئی مقصد ہے، نہ میری کوئی زندگی۔ آپ سب کو دھوکا ہوا ہے۔ میں کوئی انسان نہیں ہوں۔ میں تو ایک لاش ہوں لاش----

پروین: اب آپ اس سے زیادہ کچھ نہ کہئے مجھے یقین ہے آپ ظہیر ہیں۔

ظہیر: ظہیر!! کون ظہیر؟ ظہیر تو کب کا مرچکا۔ میں وہ ظہیر نہیں ہوں جس کو آپ نے چاہا جس کے ساتھ آپ نے زندگی گزاری۔ میں تو ایک بھوت ہوں۔ جسے دیکھ کر لوگ دور بھاگتے ہیں۔ چیختے ہیں۔ نیند میں چونک اٹھتے ہیں ----- اور نہ میں وہ ظہیر ہوں جس کے ساتھ آپ کو زندگی گزارنی پڑے گی میں تو ایک ایسی شکل ہوں جو شاید تھوڑی دیر میں آپ سب کی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوجائے۔ ایک ایسی شکل جسے دو گھڑی بھی آپ تنہائی میں دیکھ نہ سکیں۔ ایک ایسی شکل جس کا ہلکا سا سایہ بھی آپ پر پڑجائے تو آپ اپنے وجود کو بھلا بیٹھیں۔ ایک ایسی شکل جسے آپ چھولیں تو آپ کے سارے بدن میں آگ لگ جائے۔ (غضب ناک ہوجاتا ہے۔ بے بسی سے اپنی بیساکھی پر ہاتھ سہلاتا رہتا ہے۔ بدن میں کچھ لرزش پیدا ہوگئی ہے سانس پھول گئی ہے) میں تو کہتا ہوں آپ مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میں----- میں موت کا ایک نامکمل نقش ہوں۔ عظیم انسان کی عظیم قوت کا شاہکار----- میں۔ میں جنگ کے میدان میں گونجتی ہوئی کروڑہا چیخوں میں سے ایک چیخ ہوں۔ جو ساری دنیا کے انسانوں کے دلوں کو ہلادے سکتی ہے۔ ایک ادنیٰ چیخ جو ساری دنیا کے دل کی

دھڑکنوں کو یکلخت خاموش کر سکتی ہے۔ آج میں صرف ایک چیخ ہوں۔ ایک خوف ہوں۔ ایک وحشت ہوں ــــــ

پروین: (بے حد گھبرائی ہوئی ہے) لیکن ــــــ لیکن ــــــ (ظہیر سے کہتے کہتے سلیم سے کہتی ہے) سلیم صاحب آپ ان سے فرمائیں کہ وہ مجھے غلط نہ سمجھیں۔

سلیم: ہاں ظہیر۔ یوں جذبات میں نہ بہہ جاو۔ ذرا سمجھ سے کام لو۔

ظہیر: (کچھ گھبرائی ہوئی آواز میں) میں، میں کیا کسی کو سمجھ سکوں گا۔ مجھ میں تو کچھ سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ آپ مجھے غور سے دیکھئے میں، میں کیا ہوں۔ (اپنے بدن پر خود بھی نظر ڈالتا ہے) میں تو شاید ایک شدید غم کی تصویر ہوں ـــ ہر دل کو جلا دینے والی ایک آہ ہوں ــــ ایک بھیانک شکل، ایک بے مقصد بھٹکتی ہوئی روح ہوں۔ (کچھ رک رک کر سنبھلتا ہے) پروین میں تمہاری زندگی کی سب سے بدترین شکل ہوں۔

پروین: (تیزی سے ظہیر کے قریب آتی ہے) یوں نہ کہئے۔ (سلیم اور رئیسہ بھی ظہیر کے قریب آتے ہیں)

ظہیر: اس لیے کہ تم یہ الفاظ برداشت نہیں کر سکتیں ــــــ اگر اجازت دو تو تنہائی میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ (سلیم اور رئیسہ کی طرف دیکھتا ہے) آپ لوگ مجھے معاف فرمائیں۔ (سلیم اور رئیسہ باہر چلے جاتے ہیں) (ظہیر پروین کے قریب آتا ہے) پروین پریشانی سے اس کی طرف دیکھتی ہے)۔

ظہیر: پروین میں نے جو کچھ کیا ہے وہ شاید ٹھیک ہی کیا ہے ۔ بس میری ایک خواہش ہے ۔ وہ یہ کہ آخری بار تمہیں گلے لگالوں ۔

پروین: کیا فرماتے ہیں آپ ۔

ظہیر: ہاں ۔ آخری بار ۔ تم شاید یہ بات بھی نہ سمجھ سکو ۔ لیکن زندگی میں ایسے کئی واقعات ہوجاتے ہیں ۔ جو کبھی سمجھ میں نہیں آتے ۔ آو ۔ (پروین جھجکتے ہوئے اس کی طرف بڑھتی ہے) جھجکتی کیوں ہو ڈر لگتا ہے ۔ بس آخری بار تمہیں تکلیف دے رہا ہوں ۔

پروین: یوں نہ کہئے ۔

ظہیر: مجھے تو یہ ہی کہنے دو ۔ تم اپنی زندگی دے کر بھی شاید مجھے زندگی بخش نہیں سکتیں ۔ (پریشان ہوجاتا ہے سانس پھولنے لگتی ہے) رکتے رکتے پروین کو قریب کرنے کی کوشش کرتا ہے) اِس لئے کہ (جیب سے ایک چھوٹی بوتل نکال کر) میں یہ زہر پی چکا ہوں ۔

پروین: (ظہیر کے قریب ہٹتی ہوئی چیختی ہے) ظہیر ۔ ظہیر ۔ ایسا کیوں کیا آپ نے (ظہیر کا بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے رونے لگتی ہے)

ظہیر: رونے سے اب کچھ حاصل نہیں ۔ زہر اپنا اثر کرچکا ہے ۔ (پروین کے چہرے کو اپنے ہاتھ سے کچھ اوپر اٹھاتے ہوئے) ہنسو پروین ذرا ہنس دو ۔ تم کو اس وقت رونا نہیں چاہیے مجھے یقین ہے میری زندگی تمہیں اتنی خوشیاں نہیں دے سکتی جتنی کہ میری موت ۔ کبھی کسی انسان کی موت پر رونا پڑتا ہے تو کبھی کسی کی زندگی پر ۔ پروین ہنسو ۔ میری موت تمہیں دکھ نہیں دے سکتی ۔

ہنسو خوب ہنسو۔ (خود ہنسنے لگتا ہے) آو میرے قریب آو میرے سینے سے لگ جاو۔ دیکھو تو تم میرے ساتھ کیسی لگتی ہو۔ (پروین قریب ہوجاتی ہے) کتنا حسین میل ہے۔ لیکن کتنا مختصر۔ (پروین ظہیر سے لپٹ کر روتی ہے)

پروین: نہیں نہیں۔ آپ نے ایسا کیوں کیا (ظہیر کے ہاتھ سے بوتل چھینتے ہوئے) مجھے بھی یہ زہر دے دیجئے۔ میں بھی جینا نہیں چاہتی۔

ظہیر: نہیں تمہارے لئے یہ زہر نہیں۔ تمہیں میں ایک دوسرا زہر دوں گا۔ ایک دوسرا زہر جسے پیتے ہی تم سر سے پیر تک برف کی طرح سرد ہوجاوگی۔ اور تمہاری ساری زندگی کی حرارت ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائیگی۔ پھر تم میری طرح ایک چلتی پھرتی لاش بن جاوگی وہ ایک ایسا زہر ہے جو تمہارے کانوں کے ذریعہ تمہارے دل تک پہنچ جائے گا۔ اور وہ زہر ایک بات ہے۔ بس ایک بات وہ یہ کہ میں نے زہر نہیں پیا ہے۔ (پروین چونک کر ظہیر کو دیکھتی ہے اور ظہیر کہتے ہوئے زور سے چیختی ہے) میں نے زہر نہیں پیا ہے پروین۔ (پروین پھر ظہیر۔ ظہیر کہتے ہوئے۔ اسے جھنجوڑتی ہے۔ اور ظہیر ہی کو تھامے ہوئے دھیرے دھیرے نیچے گر کر بے ہوش ہوجاتی ہے۔ ظہیر کچھ الجھے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ ہنستے ہوئے پروین پر جھک جاتا ہے۔

(پردہ گرتا ہے)

ایک رات ایک کہانی

ایک ایکٹ کا ڈراما

کردار

ادیب

رئیس

ایک نوجوان بھکارن

ایک دوسری نوجوان عورت

ایک نوجوان مرد

ایک بدشکل آدمی

منظر۔ ایک خوش حال ادیب کے مکان کی لائبریری، جس کے برابر کی دونوں دیواروں میں بڑی بڑی کھڑکیاں لگی ہیں۔ دیواروں سے لگی ہوئی دو الماریاں ہیں جن میں سلیقے سے رکھی ہوئی کتابیں، الماریوں کے شفاف شیشوں

سے جھانک رہی ہیں ۔کمرے کے بیچ میں ایک خوب صورت چوبی ٹیبل ہے ۔ ٹیبل سے لگی ہوئی ایک اچھی سی کرسی ہے ۔ ٹیبل پر ترتیب سے جمائی ہوئی کچھ کتابیں اور ایک اچھا سا قلم دان ہے ۔ایک قیمتی ٹائم پیس بھی رکھی ہے ۔

جب پردہ اٹھتا ہے تو ادیب ٹیبل کے سامنے شب خوابی کے لباس پر گوَن پہنے ہوئے ایک طرف کھڑا نظر آتا ہے ۔ ادیب تیس بتیس سال کا ایک خوبرو نوجوان ہے ۔ اس وقت ایک کتاب کے اوراق اس طرح الٹ رہا ہے جیسے کچھ الجھن میں ہو اور کتاب میں کچھ کھوجنے کی کوشش کر رہا ہے ۔کتاب بند کر کے ٹہلنے لگتا ہے ۔ ٹہلتے ٹہلتے نوکر کو آواز دیتا ہے ۔)

ادیب: رئیس ---- اے رئیس خاں ۔

(رئیس دوڑتا ہوا آتا ہے ۔ ۵۰، ۵۵ سال کی عمر ہے ۔پیٹھ میں خم ہے ۔ ایک شانہ ڈھلا ہوا ہے، اور ایک پیر سے کچھ لنگڑاتا ہوا چلتا ہے ۔ ڈاڑھی بڑھی ہوئی ہے ۔ سر کے بال بڑھے ہوئے ہیں ۔ اس وقت ایک معمولی کرتا پاجامہ پہنے ہوئے ہے جو زیادہ ستھرا نہیں ہے۔ گفتگو کا انداز بہت ہی مودبانہ ہے)

رئیس: جی صاحب ۔ حکم ۔

ادیب: (بے چین سا ہے) رئیس خاں ۔

رئیس: جی مالک حکم ۔

ادیب: تم ابھی تک سوئے نہیں ؟

رئیس: میں کیسے سوتا حضور ۔ ہم تو جاگیں گے آپ سے پہلے اور سوئیں گے آپ کے بعد ۔

ادیب: اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ تم میرے ساتھ نہ جاگا کرو۔ تم اس طرح کیوں جاگتے رہتے ہو؟

رئیس: (ادیب کو غور سے دیکھ کر ہنستے ہوئے) حضور کی مہربانی۔ لیکن ہم غلاموں کی نیند بھی سرکار کی نیند کی غلام ہوتی ہے۔ جب تک آپ آرام نہ کرلیں یہ بوڑھی پلکیں جھپکتی ہی نہیں۔

ادیب: یہ سب غلط ہے۔ بالکل غلط۔ (ٹہلنے لگ جاتا ہے) جاو اور اسی وقت سوجاو۔

رئیس: حکم مالک کا۔ لیکن آپ کی چائے؟

ادیب: مجھے نہیں چاہیئے۔

رئیس: نہیں چاہیئے؟ چائے تو تیار رکھی ہے۔ بس ابھی لائے دیتا ہوں۔ (جانے کو پلٹتا ہے)

ادیب: لیکن ----- سنو -----

رئیس: (پلٹ کر) جی حضور؟

ادیب: دیکھو رئیس خاں (کچھ رک کر) میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔

رئیس: جی مالک، ارشاد۔

ادیب: ایک بہت ہی بڑی بات ہے۔ بتا سکو گے تم؟

رئیس: کوشش کروں گا حضور۔

ادیب: (کچھ پوچھنا چاہتا ہے لیکن جھجکتا ہے) بتاوگے نا؟

رئیس: بس کی بات ہو تو میری کیا مجال حضور، جو چھپاؤں۔

ادیب: اچھا تو دیکھو۔ (پلٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے) بتاؤ اس وقت کتنے بجے ہیں؟

رئیس: (غیر متوقع سوال سن کر) جی حضور!

ادیب: میں پوچھ رہا ہوں اس وقت کتنے بجے ہیں؟

رئیس: (پھرتی سے ٹیبل پر رکھی ہوئی ٹائم پیس کے قریب جا کر ٹائم دیکھتا ہے) اس وقت ٹھیک بارہ بجے ہیں حضور۔

ادیب: بارہ بج گئے اور ----- (رک جاتا ہے)

رئیس: اور کیا حضور۔

ادیب: اور یہ کہ تم ابھی تک سوئے نہیں۔

رئیس: بس سرکار، یہی وہ بڑی بات تھی جو آپ مجھ سے پوچھنا چاہتے تھے۔

ادیب: ہاں یہی بات۔

رئیس: جی حضور۔

ادیب: نہیں۔ دراصل میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ --- (رئیس کے قریب جا کر) اسے غور سے دیکھتا ہے اور کچھ رک رک کر) ----- کہ ----- تم ---- تم ---- مجھے بتا سکتے ہو کہ ہم اس گھر میں کب سے رہتے ہیں؟

رئیس: جی ہاں حضور ---- جب سے میں آپ کے پاس نوکر ہوا ہوں

ادیب: تم میرے پاس کب سے کام کرتے ہو؟

رئیس: جب سے حضور اس گھر میں آئے ہیں۔

ادیب: توبہ۔ ارے کچھ ٹھیک سے نہیں بتا سکتے کہ ہم اس گھر میں کب آئے ہیں؟

رئیس: (کچھ سوچتے ہوئے) یاد آگیا حضور ٹھیک سے یاد آگیا۔ آپ اس وقت سے اِس گھر میں رہتے ہیں جب ہمارے دیش کو آزادی ملی تھی۔

ادیب: بالکل ٹھیک۔ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن جب آزادی ملی تھی اس وقت تم کہاں تھے؟

رئیس: (معنی خیز انداز میں ہنستے ہوئے) جب آزادی ملی تھی حضور اس وقت میں ٹھیک وہیں تھا جہاں آج ہوں۔

ادیب: (کچھ کھوئے ہوئے انداز میں رئیس کے الفاظ دہراتے ہوئے) جب آزادی ملی تھی۔ اس وقت تم ٹھیک وہیں تھے جہاں آج ہو---- رئیس خاں واقعی تم رئیس ہو۔ دیکھو، دراصل جو بات میں تم سے پوچھنا چاہتا تھا، وہ یہ ہے، تمہارا نام رئیس تمہارے باپ ہی نے رکھا تھا نا؟

رئیس: بالکل حضور، بالکل میرے باپ نے۔ میرا باپ اتنا غریب اور کنگال تھا کہ غریبی سے تنگ آکر اس نے میرا نام رئیس رکھ دیا۔ سُنا ہے اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں میں بھی غریب اور کنگال ہی نہ رہ جاؤں۔ اس لیے میرے پیدا ہوتے ہی گھبرا کر اس نے میرا نام رئیس رکھ دیا۔ بے چارہ اور کیا کرتا؟ اولاد کی محبت دیوانی ہی تو ہوتی ہے صاحب۔

ادیب: (اسی طرح کھوئے ہوئے رئیس کے الفاظ دہراتے ہوئے) ہوں، رئیس خاں، تمہارا باپ بہت ہی غریب اور کنگال تھا، اور غریبی سے تنگ آکر اس نے تمہارا نام رئیس رکھ دیا۔ خوب، اور اولاد کی محبت دیوانی ہوتی ہے۔ بالکل ٹھیک، اس دیوانی محبت کی بدولت تم آج تک رئیس بنے ہوئے ہو۔ اور اپنے باپ کو بے چارہ کہتے ہو ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک ہے۔

رئیس: جی حضور!

ادیب: تم ٹھیک کہتے ہو، اور بالکل وہی بات بتا رہے ہو جو میں جاننا چاہتا ہوں۔

رئیس: وہ کون سی بات حضور؟

ادیب: میں ابھی بتاؤں گا (کچھ سوچتے ہوئے) دیکھو رئیس خاں۔ آدھی رات ہونے کو آئی ہے۔

رئیس: جی ہاں حضور۔

ادیب: تم جانتے ہو، میں آج اس کمرے میں کتنی دیر سے بیٹھا ہوا ہوں۔

رئیس: یہی کوئی چھ سات گھنٹے بیت گئے حضور۔

ادیب: اور میں ابھی تک ---- (رک جاتا ہے) تم کو معلوم ہے میں ان چھ سات گھنٹوں میں کیا کرتا رہا ہوں۔

رئیس: وہی جو آپ روز کرتے ہیں۔ موٹی موٹی کتابیں اٹھائیں گے، پڑھیں گے۔ یا پھر قلم اٹھائیں گے اور گھنٹوں لکھتے ہی رہیں گے!!

ادیب: لیکن نہ آج میں پڑھ سکتا ہوں نہ لکھ سکتا ہوں، میں اس وقت

کسی سے خوب باتیں کرنا چاہتا ہوں لیکن یہاں سوائے تمہارے کوئی نہیں ہے
میں اس وقت صرف باتیں کرنا چاہتا ہوں ۔ کروگے مجھ سے باتیں؟

رئیس: ضرور کروں گا حضور ۔ لیکن میری باتوں میں آپ کو کیا مزا آئے گا ۔ ایسے وقت تو شاید آپ کو کسی اچھے ساتھی کی ضرورت ہے میرا مطلب گھر کی مالکن؟ سے ہے ۔

ادیب: گھر کی مالکن ؟ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ۔ سنو میں تم ہی سے باتیں کرنا چاہتا ہوں ---- لیکن -- لیکن تم سمجھ سکوگے میری باتیں؟

رئیس: کوشش کروں گا حضور ۔

ادیب: تو سنو ------ میں ------ (کچھ رک کر) لیکن تم سے کیا کہوں ۔ (ٹہلنے لگتا ہے)

رئیس: آپ کہتے کہتے رک کیوں گئے؟

ادیب: میں نہیں رکا ۔ کہنے سے مجھے تم روک رہے ہو ۔

رئیس: میں روک رہا ہوں حضور؟ کیا فرماتے ہیں آپ؟

ادیب: تو تم بتا سکتے ہو میں روز کیا لکھا کرتا ہوں؟

رئیس: لوگ کہتے ہیں ، آپ بہت ہی مزے دار اور عمدہ کہانیاں لکھا کرتے ہیں ۔

ادیب: اور تم جانتے ہو ، اس وقت میں کیا چاہتا ہوں ۔

رئیس: میرے خیال میں اس وقت آپ آرام چاہتے ہیں ۔

ادیب: غلط ہے رئیس خاں ، غلط ہے ---- اس وقت مجھے دراصل

-----افوہ!

رئیس: کہہ ڈالئے نا حضور۔

ادیب: کہہ ڈالوں؟ (ذرا مسکراتے ہوئے رئیس کے قریب جاکر دھیمے اور صاف لہجے میں، رئیس خاں، اس وقت مجھے ایک کہانی چاہئے۔

رئیس: جی! کہانی!

ادیب: ہاں ایک بہت ہی نئی اور اچھی کہانی۔ میں چھ سات گھنٹوں سے کوشش کر رہا ہوں لیکن کہیں نہیں ملتی بس ایک کہانی کا پلاٹ چاہئے۔

رئیس: (حیرت سے) پلاٹ چاہئے حضور!

ادیب: ہاں۔ تم نے کچھ سمجھا بھی کہ نہیں؟

رئیس: میں حضور! میں تو----- میں تو بھول ہی گیا۔ حکم ہو تو چائے لادوں حضور، ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

ادیب: ہو جانے دو۔ مجھے چائے نہیں چاہیے۔

رئیس: نہیں حضور۔ ابھی گھڑی بھر میں لادیتا ہوں--- (جانے کے لئے پلٹتا ہے)

ادیب: اچھا بس ایک اور بات بتا کر جاو۔ دیکھو سچ بتانا۔

رئیس: میں آپ سے جھوٹ بھی کہہ سکتا ہوں حضور؟

ادیب: میرے قریب آو۔

(رئیس آگے بڑھنے کے انداز میں جھک جاتا ہے)

رئیس خاں۔ تم اب کافی بوڑھے ہو چکے ہو، تمہاری عمر ۵۵ سال کی تو

ہوگی؟

رئیس: عمر کا حساب تو کچھ ٹھیک سے یاد نہیں صاحب۔ ہاں لگتا تو مجھے بھی ایسا ہی ہے۔

ادیب: تو تم نے اپنی زندگی کے ۵۵ سال اس غلامی اور جی حضوری میں گزار دیئے۔

رئیس: جی حضور!

ادیب: اب سچ سچ بتاؤ کہ تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تمہارا بڑھاپا، تمہاری یہ کمزور زندگی ایک بہت ہی آرام دہ گھر میں تمام ضروری آسائشوں کے ساتھ گزرے!

رئیس: (گھبرا کر) جی حضور!

ادیب: اور تمہیں ابھی امید ہے کہ تمہاری زندگی میں اچھے دن بھی آئیں گے؟

رئیس: امید کس کے دل میں نہیں ہوتی حضور۔ سنا ہے آخری سانس کو بھی امید ہی کہتے ہیں۔ لیکن-----

ادیب: (بات کاٹ کر، اس سے کچھ دور ہٹتے ہوئے) لیکن تم کو یہ نہیں معلوم کہ یہ اچھے دن کس طرح اور کدھر سے آجائیں گے۔ اور تمہیں اچھی زندگی کا کوئی یقین نہیں، بلکہ تمہیں یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ کہیں آنے والی زندگی آج کی زندگی سے زیادہ کٹھن نہ ہو جائے۔

رئیس: نہیں حضور، غریب کو معاف فرمائیں۔ میری بات چھوڑ دیجئے۔ میرے دن تو گزر گئے۔ اب اس بوڑھے دل میں تو بس یہی ارمان ہے کہ اپنی

اولاد کے دن ایسے نہ گزریں، اولاد کی محبت اندھی ہوتی ہے حضور۔

ادیب: (کچھ تعجب کے ساتھ) کیوں رئیس، تمہاری بھی کوئی اولاد ہے؟ مجھے کبھی نہیں بتایا تم نے؟

رئیس: (سر جھکا لیتا ہے جیسے خطا ہو گئی ہے) میں نے آپ کو نہیں بتایا، لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں صاحب---- بس ایک لڑکی ہے میری، مگر وہ بھی بڑی ابھاگن نکلی۔ اب کس منہ سے ابھاگن کہوں اسے جی نہیں چاہتا۔

ادیب: کہاں ہے وہ؟

رئیس: حضور۔ وہ پاگل ہو گئی، اب میرے پاس نہیں۔

ادیب: پاگل ہو گئی؟

رئیس: جی حضور۔

ادیب: پاگل کیسے ہو گئی؟

(رئیس سر جھکا کر خاموش ہو جاتا ہے) بتاؤ گے نہیں؟

رئیس: کیا کہوں حضور جس طرح میرے باپ نے غریبی سے تنگ آکر مجھے رئیس بنا دیا اسی طرح میری بیٹی بھی اپنی جوانی سے تنگ آکر پاگل ہو گئی۔

ادیب: کیا کہتے ہو----؟

(گھر سے کچھ فاصلے پر باہر راستے پر کسی تیز رفتار موٹر کے اچانک رک جانے سے بریک کی ایک زور کی آواز آتی ہے، اور ساتھ ہی ایک عورت کی ہولناک چیخیں سنائی دیتی ہیں، دونوں چونک جاتے ہیں)

یہ کیا گڑبڑ ہے باہر۔ سڑک پر کہیں کوئی موٹر کا حادثہ تو نہیں ہو گیا؟

رئیس دوڑ کر دیکھو تو۔

(رئیس تیز تیز باہر چلا جاتا ہے اور ادیب کھڑکی سے باہر جھانکنے لگتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں رئیس ایک حواس باختہ بھکارن کا ہاتھ تھامے اندر آتا ہے۔ بھکارن نوجوان ہے چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی ہے بال کھلے ہوئے ہیں۔ اور کسی خوف کے مارے سر سے پاؤں تک کانپ رہی ہے)

بھکارن: (اسٹیج پر آکر ادیب پر نظر ڈالتی ہے اور بہت ہی سہمے ہوئے اور روتے ہوئے) ہنیں----- ہنیں----- ہنیں میں ہنیں ہوں۔ میں نے کچھ بھی ہنیں کیا ہے بابو۔ مجھے مت مارو---- میں تو----- میں----- بابو۔

ادیب: کون ہو تم؟

بھکارن: میں، میں چور ہنیں ہوں بابو۔ ایک دوسرے گنڈے کے دھوکے میں بابو--- پولیس والا مجھے پکڑتا تھا۔ مجھ پر بھروسہ کرو بابو۔

ادیب: گھبراو ہنیں۔ ٹھیک سے بتاو۔ کون ہو تم؟ میں تمہاری مدد کروں گا۔

بھکارن: (روتے ہوئے ادیب کے پاؤں پکڑ لیتی ہے) میں بہت گریب بھکارن ہوں بابو۔ وہ گنڈا ایک سیٹھ کی جیب کتر کر بھاگ گیا۔ میں اسے جانتی ہوں بابو--- اس کا اڈہ بھی مجھے معلوم ہے۔ میں سبیرے تم کو بتادوں گی وہ کون ہے۔ اسے پکڑو بابو۔ میں چور ہنیں ہوں۔ میں بھی بھاگ رہی تھی، تو وہ پولیس والا مجھے پکڑنے آگیا۔

ادیب: کون پولیس والا؟

بھکارن (رئیس کی طرف اشارہ کر کے) یہ بابو۔

ادیب: یہ پولیس والا؟

بھکارن: یہ نہیں بابو۔۔۔۔۔۔ (باہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) وہ پولیس والا۔۔۔۔ (پھر کھڑی ہو جاتی ہے)

ادیب: مگر تم کیوں بھاگ رہی تھیں؟

بھکارن: میں۔۔۔۔۔۔ میں۔ (آواز کمزور ہو جاتی ہے)۔ میں بھاگ رہی تھی بابو۔ میں کیا کروں۔۔۔۔۔۔ وہ موٹر والا صاحب۔ جس کے رکنے کی ابھی ابھی زور کی آواز ہوئی۔۔۔۔ وہ بابو۔۔۔۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر۔۔۔۔۔ (رونے لگتی ہے)۔۔۔۔۔۔ میں ہاتھ چھڑا کر بھاگی تو پولیس والا میرے پیچھے بھاگا ۔۔۔۔۔ بابو سچ مچ میں چور نہیں ہوں۔

ادیب: اس موٹر والے صاحب کو پولیس والے نے کچھ نہیں کہا؟

بھکارن: دیکھو بابو۔ وہ جیب کترا گنڈا ادھر بھاگا، اور موٹر والا صاحب ادھر۔ میں ادھر بھاگ رہی تھی، سو اس بڈھے نے پکڑ لیا۔ اب دیکھو بابو، میرا کیا کسور ہے، ہم کو کوئی بھاگنے بھی نہیں دیتا۔

ادیب: تو بھاگ کر کہاں جائے گی۔ وہ موٹر والا پھر تجھے پکڑ لے گا۔

بھکارن: میں۔۔۔۔۔۔۔ میں اپنی ماں کے پاس بھاگ رہی تھی بابو ۔۔۔۔ مجھے چھوڑ دو اب۔ جا کر اپنی ماں کو سب کچھ بتا دوں گی۔ یہی رکشوں کے اڈے کے پاس میری ماں پڑی رہتی ہے۔۔۔۔ میں جاؤں بابو؟

ادیب: مگر اتنی رات تک تو سڑکوں پر کیوں گھومتی پھرتی ہے؟

بھکارن: دیکھو بابو ۔ ویسے میں روز اتنی رات تک نہیں پھرتی مگر آج ایسی بات ہے بابو، کل سبیرے میرے گاؤں سے میرا ایک دوست آنے والا ہے ۔ میرا جی چاہتا ہے جب وہ آئے تو اسے اچھا سا ناشتہ کھلاوں ، اور دن بھر سہر دکھاتی پھروں ۔

ادیب: (کچھ سوچتے ہوئے) ہوں! تو تیرا دوست آنے والا ہے ----- تیرا دوست تجھے بہت پسند ہے؟

بھکارن: (کچھ لجاتے ہوئے) ہاں بابو ۔ وہ بہت اچھا ہے ---- اور ----- اور ---- اب تم سے کیا کہوں، (سر جھکا لیتی ہے)

ادیب: اچھا ---- (رئیس سے) اسے آج رات تم اپنے کمرے میں ٹھیرالو ۔ اب اسے جانے نہ دو ۔ سویرے ہی اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ آنا ۔

بھکارن: (پریشان ہو کر) نہیں بابو نہیں مجھے چھوڑ دو ۔ تمہارے پاؤں پڑتی ہوں ۔ مجھے چھوڑ دو ۔

ادیب: نہیں، آج رات تو یہیں رہے گی ۔ اب باہر جائے گی تو پولیس والا پھر پکڑ لے گا ۔ اب جا کر باہر کے کمرے میں چپ چاپ پڑ رہ ------ رئیس! اسے لے جاو ۔

رئیس: جی حضور -----

(بھکارن کو ساتھ بلا کر لے جاتا ہے ۔ ادیب بے چین سا ہو کر ٹہلنے لگتا ہے ۔ تھوڑی ہی دیر میں رئیس اکیلا واپس آتا ہے ۔ ذرا دھیمی اور گھبرائی ہوئی

آواز میں)

-----حضورا

(ادیب سنتا نہیں ۔ذرا صاف آواز میں پھر مخاطب کرتا ہے)

----حضورا!

ادیب: کیا ہے؟

رئیس: حضور۔ایک بات کہوں؟

ادیب: کہو۔

رئیس: وہ رو رہی ہے۔

ادیب: تو رونے دو۔

رئیس: لیکن حضور ایک اور بات کہوں؟

ادیب: یہ بار بار کیا پوچھتے ہو، جو کچھ کہنا ہے ایک دم کہہ ڈالو۔

رئیس: دیکھیے حضور وہ ایک جوان لڑکی ہے۔

ادیب: یہ میں بھی جانتا ہوں۔

رئیس: اسی لئے حضور ----- ایک جوان لڑکی کو اس طرح پکڑ کر گھر میں رکھ لینا کچھ ٹھیک نہیں ۔دنیا کیا کہے گی۔

ادیب: کہہ لینے دو۔دنیا جو جی میں آئے کہہ لے ---- مجھے کوئی پروا نہیں ۔ذرا تم ہی سوچو، ایک جوان لڑکی اتنی رات گئے ہمارے گھر میں محفوظ رہ سکتی ہے یا گلیوں اور سڑکوں پر۔جہاں تھوڑی دیر میں ادھر سے ایک غنڈہ بھاگتا ہے تو ادھر سے ایک موٹر والا صاحب---- جاؤ اسے سمجھاؤ۔

رئیس: مگر ــــــــــ

ادیب: مگر وگر کچھ نہیں ۔ بس جاو۔

رئیس: وہ بہت رو رہی ہے حضور۔

تو اسے سمجھاتے کیوں نہیں ــــــ تم اسے اپنی بیٹی ہی سمجھ لو۔

رئیس: (چونک کر) میری بیٹی حضور!

ادیب: (تیزی سے رئیس کے قریب آکر) ہاں ۔ (کچھ نرم لہجے میں) کیوں؟ تمہیں برا لگا کیا؟

رئیس: (ادیب کی طرف غور سے دیکھ کر) بیٹی سمجھ لوں حضور؟ اچھا۔ میں اسے سمجھائے دیتا ہوں ۔ (پلٹ کر جاتے ہوئے) اور سویرے ہی اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ آؤں گا۔

(رئیس چلا جاتا ہے ۔ اور ادیب ٹہلنے لگ جاتا ہے ٹیبل کے قریب جاکر ٹیبل سے سگریٹ اٹھا کر جلاتا ہے ۔ اور کرسی پر بیٹھے جلدی جلدی کش لینے لگتا ہے ۔ جیسے کسی تشویش میں مبتلا ہو۔ تھوڑی ہی دیر میں کمرے کی روشنی کچھ دھیمی ہو جاتی ہے اور ہوا کے جھونکوں سے کھڑکی کے پردے ہلنے لگتے ہیں ۔ ادیب کرسی سے اٹھ کر تیزی سے اندر کے دروازے کے قریب جاکر رک جاتا ہے ۔ اور کچھ سوچ کر پھر کرسی کی طرف جانے کو پلٹتا ہے کہ دوسرے رخ سے ایک دوسری نوجوان لڑکی جو شکل و صورت سے کافی حسین لگتی ہے، بال بکھرائے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اسٹیج پر آکر ادیب کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اور چپ چاپ ادیب کو گھورنے لگتی ہے ۔ ادیب لڑکی کو دیکھ کر پریشان

ہو جاتا ہے۔ اور جب لڑکی اس کی طرف بڑھتی ہے، تو وہ پیچھے ہٹنے لگتا ہے)

لڑکی: (اسی انداز میں) تم نے مجھے بلایا صاحب؟

ادیب: تم!----- تم کون ہو؟

لڑکی: تم ہی تو مجھے بلا رہے تھے صاحب۔ لو میں آگئی دیکھو نا مجھے۔

ادیب: لیکن------کون ہو تم؟

لڑکی: اب تم بھی نہیں پہچانتے مجھے؟ مجھے دیر ہو گئی نا؟ بہت دیر ہو گئی --- مگر میں آگئی ہوں۔ تم مجھے بچانا چاہتے تھے نا----- مگر تم نے بھی بہت دیر کر دی۔

(چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ کر رونے لگتی ہے)

ادیب: ارے---- یہ کیا کر رہی ہو؟ روتی کیوں ہو۔ بتاؤ تم کون ہو؟

لڑکی: (ادیب کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے) میں----- میں آخر لٹ گئی نا صاحب۔ میں لٹ گئی۔ مجھے کوئی--- کوئی نہ بچا سکا۔ میں بھوکی تھی میرے تن پر کپڑا نہ تھا۔ میرے پاس آخر کیا تھا جو تمہاری دنیا نے مجھے لوٹ لیا صاحب۔ اب مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اگر تم میں ہمت ہے تو میرا ہاتھ پکڑ لو صاحب۔ میری مدد کرو۔

ادیب: (لڑکی کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر پیچھے ہٹتا ہے) لیکن تم کو کس نے لوٹا ہے؟ تم میرے پاس کیوں آئی ہو؟

لڑکی: تم سب جانتے ہو۔ تم کو سب معلوم ہے، میں کیسے لٹی، کیوں لٹی اور مجھے کس نے لوٹا ہے؟ تم ہی تو مجھے بچانے کی کوشش کر رہے تھے----

دیکھو میں تمہارے پاس آئی ہوں ۔ مجھے یقین ہے تمہارے سوائے اب مجھے کوئی نہیں بچا سکتا تمہارے بلانے پر آج میں تمہارے ہی پاس آرہی تھی ، مگر راستے میں ۔ (باہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس درندے نے ، اس خونخوار نے ، مجھے اس طرح جکڑ لیا جیسے دنیا کی ساری قوتیں ایک ساتھ مجھے دبوچ رہی ہیں ۔ اور دنیا میں ایسی کوئی قوت نہیں جو مجھے بچالے گی ۔ تم مجھے بچالو ، میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں ۔

ادیب: کیا کہے جارہی ہو ۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے

لڑکی: تم سب سمجھتے ہو ۔ تم کسی کو لٹنے سے پہلے بچانا چاہتے تھے ۔ مگر اب ذرا ہمت کرو صاحب --- شاید تم کسی کو لٹنے کے بعد بھی بچاسکو ۔ سوچو صاحب سوچو ۔ میری زندگی اجڑ گئی ۔ اب میرا کون ہوگا؟ بولو صاحب ۔ آج میرا دوست آئے گا ، اور مجھے دیکھے گا تو میرا منہ نوچ ڈالے گا میرا گلا گھونٹ دے گا ۔ میرا خون پی جائے گا ۔ شاید وہ ابھی یہیں آجائے ۔ میں اب اسے کیسے منہ دکھاؤں گی ۔ میں --- میں مرجاؤں گی ، صاحب تمہارے پاس وہ قوت ہے ، وہ قوت مجھے دے دو ۔ اپنا قلم مجھے دے دو ۔ اس قلم کی تیز نوک اس خونخوار درندے کی وحشی آنکھوں میں اتنی زور سے دھنساؤں گی کہ اس کی آنکھوں سے اس کی جان نکل جائے ۔ بولو صاحب ۔ کچھ نہیں کہتے ؟

(باہر نظر ڈال کر گھبرا جاتی ہے) وہ ---- وہ دیکھو صاحب ۔ وہ دیکھو میرا دوست آگیا ---- مجھے بچاو صاحب ، وہ مجھے مار ڈالے گا ---- میں ---- میں یہاں نہیں ٹھیروں گی ---------

(ادیب باہر کی طرف حیرت سے دیکھتا ہے جیسے کوئی آرہا ہے ۔ لڑکی روتے

ہوئے اندر بھاگ جاتی ہے ۔ باہر سے ایک نوجوان کچھ پریشان پریشان داخل ہوتا ہے ۔ ادیب اسے دیکھ کر دوسری طرف دیکھتا ہے تو لڑکی غائب ہے)

ادیب: (حیرت سے نوجوان کو دیکھتے ہوئے) ۔ تم کون ہو؟

نوجوان: میں بتادوں گا لیکن وہ کہاں گئی؟

ادیب: وہ کون.

نوجوان: مجھ سے نہ چھپاو بابوجی ۔ مجھے سب کچھ معلوم ہوگیا ہے ۔ مجھے دیکھ کر وہ یہیں کہیں چھپ گئی ہے ۔ بتاو بابوجی وہ کہاں ہے؟

ادیب: میں تمہیں سب بتاوں گا ۔ مگر پہلے یہ بتاو تم لوگ کون ہو؟ اور میرے پاس کیسے آگئے؟

نوجوان: یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو ۔ تم ہی نے تو بلایا تھا مجھے، شاید مجھ سے ڈر رہے ہو ۔ لیکن بابو، تم مجھے خوب جانتے ہو ۔ میں اتنا نیچ نہیں کہ اس سے آنکھیں پھیرلوں ۔ اتنا ذلیل نہیں کہ اپنی لٹی ہوئی زندگی کا بدلہ اس مجبور لڑکی سے لوں ۔ لیکن بابو مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے ۔

(اندر جانے کو ہوتا ہے)

ادیب: (اس کے سامنے اپنے دونوں بازو پھیلا کر اسے روکتا ہے) ٹھیرو اندر نہ جاو میں اس سے تم کو ملادوں گا، لیکن پہلے بتاو، آخر قصہ کیا ہے؟

نوجوان: مجھ سے میرا قصہ پوچھتے ہو بابو ۔ وہ قصہ جو مجھ سے بہتر تم جانتے ہو ۔ بابوجی، میں تو آپ کے ہاتھ کا ایک کھلونا ہوں ۔ جس طرح چاہا، اچھال دیا جی میں آئے تو توڑ دیا ۔ بابوجی ۔ کیا ہماری ساری زندگی ایسے ہی گزر جائے گی؟

ادیب: وہ کیسے؟

نوجوان: بس یونہی۔ صبح سے شام تک ایک خلش، پیدائش سے موت تک ایک خلش، زندگی بھر بس ایک درد، ایک مسلسل غم، بے حیائی اور بے شرمی،، ہمیشہ کلیجے میں دھنسی ہوئی ایک پھانس جو کبھی نکلتی ہی نہیں، اور بار بار دم ٹوٹ جانے کا خوف، مسلسل سر پر منڈلانے والی موت کا خوف۔

ادیب: تم موت سے ڈرتے ہو؟

نوجوان: میں بہت ڈرتا ہوں۔ ایسی موت سے میں بہت ڈرتا ہوں، بابوجی، جو زندگی ملنے سے پہلے ہی ہم کو کھاجاتی ہے۔ اس دنیا میں ہم کو زندگی سے پہلے موت ملتی ہے اور ہم موت کو زندگی سمجھ کر جی لیتے ہیں۔ صرف اس تمنا میں کہ کہیں زندگی مل جائے۔ ہماری آنکھوں سے قریب ہی ایک خوب صورت زندگی ہنستی اور گاتی نظر آتی ہے۔ اور جب ہم اس کی طرف بڑھتے ہیں تو کوئی بہت بڑی قوت دندناتی ہوئی آکر ہم پر جھپٹ پڑتی ہے اور ہمارا گلا گھونٹ دیتی ہے، اور ہم دم توڑ دیتے ہیں۔ بتاؤ بابو، تم ہی تو ہماری کہانی لکھتے ہو۔ تم کسی بھی طرف ہماری کہانی کا رخ بدل سکتے ہو---- تو پھر اپنے قلم کی ایک جنبش سے ہماری کہانی کو اس ہنستی کھیلتی زندگی تک کیوں نہیں پہنچادیتے۔

(کتابوں کی طرف اشارہ کرکے)

کیا ان ساری موٹی موٹی کتابوں میں ہمارا یہی مقام ہے بابو؟ کیا یہیں تک آکر ان کتابوں کی کہانیاں ختم ہوجاتی ہیں؟

ادیب: (نوجوان کے قریب جاتا ہے اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر ہمدردانہ انداز میں) کون ہو تم؟

سچ سچ بتاو، کون ہو تم؟

نوجوان: میں اس لٹی ہوئی زندگی کا دوست ہوں، جسے آپ نے مجھ سے چھپائے رکھا ہے۔ وہ مجھ سے ڈر کر بھاگ گئی ہے۔ وہ سمجھتی ہے میں اسے مار ڈالوں گا۔ لیکن بابو اس دل میں سوائے غم خواری اور محبت کے اور کچھ ہنیں۔ اس لیے کہ دل کو ایسی ذلت کی عادت ہو گئی ہے۔ یقین کرو میں اسے بچاؤں گا اس کی لٹی ہوئی زندگی اسے واپس دلاؤں گا۔ بابوجی، میں جارہا ہوں۔ (ادیب اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے لیکن نوجوان پھرتی سے اندر چلا جاتا ہے۔ ادیب بھی اس کے پیچھے جانے کو ہوتا ہے کہ پیچھے سے کسی کے زور سے ہنسنے کی آواز آتی ہے۔ ادیب پلٹ کر دیکھتا ہے۔ ایک قدآور بہت ہی لحیم شحیم آدمی شاندار لباس پہنے داخل ہوتا ہے۔ چہرہ بے حد مکروہ ہے۔ ایک طرف جھکا جھکا چلتا ہے مسلسل ہنسے جارہا ہے)

بد شکل آدمی: (بہت ہی گھناؤنی آواز میں) ہاہاہا۔ آخر مجھے بھی بلا ہی لیا تم نے۔ تم تو مجھ سے دور بھاگتے ہو، مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو۔

ادیب: (چڑ کر) تمہیں کس نے بلایا یہاں ---- کون ہو تم؟

بد شکل آدمی: (زور سے ہنستے ہوئے) ہاہاہا۔ بھول گئے۔ مجھے تو شاید تمہاری ہزارہا نسلیں بھی بھلا ہنیں سکیں گی۔

ادیب: تمیز سے بات کرو۔

بد شکل آدمی: تمیز! ہاہاہا۔ تم مجھ سے تمیز کی امید رکھتے ہو جسے تم سر بازار گالیاں دیتے ہو۔ جسے تم جیسے ادیب، مفکر اور فلسفی ہمیشہ ذلیل کرنے کی کوشش

کرتے ہیں ۔ تمہاری نظر میں تو میں انسان نہیں، ایک وحشی ہوں ۔ درندہ ہوں، خوں خوار درندہ! (ہنستا ہے) میں تو تمہاری نام نہاد تہذیب کا دشمن ہوں اور تم مجھ سے تمیز کی امید رکھتے ہو۔

ادیب: کیا بک رہے ہو؟

بدشکل آدمی: وہی بک رہا ہوں جو تم روز میرے بارے میں بکتے ہو۔

ادیب: (غصے) سے بند کرو یہ بکواس ۔

بدشکل آدمی: اوہو۔ غصہ تو بہت ہی تیز رفتار ہے تمہارا ۔

ادیب: جانتے ہو۔ تم کس سے بات کر رہے ہو۔

بدشکل آدمی: (ادیب کے قریب جاکر طنزاً ہنستے ہوئے)

تم سمجھتے ہو میں تم کو نہیں جانتا۔ تم کو جانتا ہوں تمہارے غصے کو جانتا ہوں، تمہاری قوت کو جانتا ہوں ۔

ادیب: تم میری قوت کو جانتے ہو؟

بدشکل آدمی: (زور سے ہنستے ہوئے) تمہاری قوت! وہی قوت جو روز میرے لحیم شحیم بدن سے اپنا سر ٹکرا ٹکرا کر خود ہی نڈھال ہو جاتی ہے ۔ لیکن مجھے میرے مقام سے ایک انچ ہٹا نہیں سکتی ۔ یہ ہے تمہاری قوت ۔

ادیب: جانتے ہو میں کون ہوں؟

بدشکل آدمی: (ایک بلند قہقہے کے ساتھ) تم؟ میں تم کو اور تمہاری ہر نسل کو جانتا ہوں ۔

(کتابوں کی طرف حقارت بھری نظر ڈال کر) تمہارے یہ فلسفی، مفکر

ادیب اور شاعر یعنی تمہارے یہ اجداد اور بھائی بند جو تمہاری کانچ کی نازک اور خوب صورت الماریوں میں ان حسین کتابوں کی شکل میں محفوظ ہیں، ان سب کو جانتا ہوں۔ ان سب نے مل کر ہمیشہ میرے قتل کی کوشش کی، مگر میں اپنی پوری شان کے ساتھ زندہ ہوں۔

(ٹیبل کے قریب جاکر قلم اٹھاتا ہے)

یہی ہے تمہارے ان دلیروں اور جاں بازوں کا ہتھیار، جس کی ایک جنبش سے، نادان سمجھتے ہیں کہ دنیا کی اس عظیم قوت کو نابود کر دیا--- دیوانے سمجھتے ہیں میں مر گیا۔ ہونہہ!

(قلم ٹیبل پر پھینک دیتا ہے)

ادیب: تم دیکھنا چاہتے ہو میں تم کو کیا سے کیا کر سکتا ہوں۔

بدشکل آدمی: آہا۔ ضرور۔ میں صدیوں سے دیکھتا آیا ہوں اور روز دیکھتا ہوں--- جانتے ہو آج ساری دنیا پر میں ایک مہیب جنگ کا خطرہ بن کر منڈلا رہا ہوں۔ اور تم میرا منہ تک رہے ہو۔ میری قوت نے تم جیسے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کے لیے محتاج کر دیا ہے۔ اور تم ہائے ہائے کر رہے ہو۔ مجھے گالیاں دے رہے ہو۔ میں روز تمہاری بہو بیٹیوں کو سر بازار لاکر نچاتا ہوں۔ اور تم اپنا سر جھکائے، ان سے نظریں بچاکر گزر جاتے ہو---- تمہارے جی میں جو آئے مجھے کہہ لو۔ تہذیب کا دشمن خونخوار، درندہ۔ مجھے یہ سارے خطابات منظور ہیں لیکن میں ایک ایسی قوت ہوں جس کا لوہا تمہیں ماننا پڑتا ہے--- ہاہاہا۔

ادیب: (غصے سے چیختا ہے) بند کرو یہ بکواس --- ورنہ میں تمہاری ساری قوتوں کو آج ہی نیست و نابود کردوں گا۔

بدشکل آدمی: تم یہ روز کہتے ہو۔ کوئی نئی بات نہیں --- تم انتظار کرو، وہ وقت نہیں آئے گا۔

ادیب: وہ وقت آگیا ہے۔ آج ہی کی رات۔ آج صبح ہونے سے پہلے تمہارے لحیم شحیم بدن کی ایک ایک بوٹی نچوادوں گا۔

بدشکل آدمی: بڑی خوشی سے۔ آگے بڑھو۔ لیکن پہلے یہ تو بتادو کہ تمہارے وہ ہیرو اور ہیروئن کہاں ہیں جو ابھی ابھی تمہاری پناہ ڈھونڈنے یہاں آئے تھے؟ کہاں ہے وہ سڑک کی بھیک مانگنے والی تمہاری باعزت عورت جس کا جوان حسن آج میرے ان مضبوط بازوؤں میں مجبور ہوگیا، کہاں ہے تمہاری تہذیب کا مارا ہوا وہ بے وقوف ہیرو، جو اب بھی اس بھکارن کو میرے چنگل سے بچانا چاہتا تھا۔

ادیب: وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔ تم ان کے پاس نہیں جاسکتے۔

بدشکل آدمی: مجھے روکنے کی قوت ہے تم میں تو روک لو، میں جارہا ہوں۔

(اندر کا رخ کرتا ہے)

ادیب: میں کہتا ہوں تم نہیں جاسکتے۔

بدشکل آدمی: (ہنستے ہوئے) میں جارہا ہوں۔

ادیب: (چیخ کر) رک جاو۔ (اور بلند آواز میں)۔ رک جاو۔

(اس کی طرف بڑھتا ہے)

بدشکل آدمی: (ہنستے ہوئے پلٹ کر جیب سے ایک چمکدار چاقو نکال کر بتاتا ہے اور دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتا ہے۔ادیب سہم کر اس کی طرف بڑھتا ہے۔بدشکل آدمی اسی طرح چاقو ہاتھ میں گھماتا ہوا اندر چلا جاتا ہے۔اس کے اندر جاتے ہی عورت کی ایک چیخ سنائی دیتی ہے--- ادیب تیزی سے اندر جانے کو ہوتا ہے کہ اندر سے رئیس آنکھیں ملتے ہوئے اسٹیج پر بھاگتا ہوا آتا ہے۔ روشنی پھر تیز ہو جاتی ہے)

رئیس: حضور۔حضور۔

ادیب: ہٹ جاو--- میں اس درندے کو جان سے مار ڈالوگا۔

رئیس: کون درندہ حضور!

ادیب: وہی جو ابھی اندر گیا ہے۔

رئیس: اندر؟ کیا فرماتے ہیں آپ!---- اندر تو کوئی بھی ہنیں۔

ادیب: اندر کوئی ہنیں!

رئیس: جی ہاں۔اور وہ بھاگ گئی۔

ادیب: کون بھاگ گئی؟

رئیس: وہی بھکارن۔میری بیٹی حضور۔

ادیب: (سوچتے ہوئے) اندر کوئی ہنیں۔اور وہ بھکارن بھی بھاگ گئی۔ کیا سویرا ہو گیا؟

رئیس: ابھی کچھ رات باقی ہے حضور۔

ادیب: ابھی رات باقی ہے-----

(ٹیبل کی طرف جاتے ہوئے)

ٹھیک ہے۔ رئیس، میں سب کچھ سمجھ گیا۔ میں سب کچھ سمجھ گیا۔ میں اب لکھنا چاہتا ہوں۔ میری چائے لے آو۔

رئیس: اس وقت حضور!

ادیب: ہاں اسی وقت۔ میں اسی رات کی کہانی لکھنا چاہتا ہوں۔ جاو۔

رئیس: حضور (کہہ کر چلا جاتا ہے۔ اور ادیب جلدی سے ٹیبل کے قریب جاکر کرسی پر نڈھال ہو کر گر جاتا ہے۔)

(پردہ)

انتشار

پہلا ایکٹ

کردار

(۱) سست رفتار آواز (۲) نوجوان (۳) بوڑھا (۴) دوشیزہ (۵) بوڑھیا (۶) فنکار (۷) نقیب (۸) شومی (۹) سیما (۱۰) سوہن (۱۱) پروفیسر (۱۲) بزرگ (۱۳) پہلی آواز (۱۴) دوسری آواز (۱۵) عزیز (۱۶) شیتل۔

منظر = (پردہ اٹھنے سے پہلے۔ ہندوستانی اور مغربی دونوں قسم کی موسیقی کی زوردار جھنکار، ایک ناگوار سا شور برپا کردیتی ہے۔ کچھ لمحوں بعد یہ شور اچانک دب جاتا ہے تو پس منظر سے ابھر کر پیش منظر کی طرف آتی ہے کچھ انسانی چیخ و پکار اور ساتھ ہی وحشیوں کی چنگھاڑ سنائی دیتی ہے۔ ان آوازوں کے ساتھ پردہ اٹھتا ہے۔ ایک تیز رنگ روشنی اسٹیج پر پھیل جاتی ہے جو لمحہ بھر بعد مدھم پڑجاتی ہے۔

یہ ایک عجیب بجھا بجھا سا منظر ہے۔ روشنی ہے نہ اندھیرا۔ اسٹیج پر کہیں گھنا جنگل سا نظر آتا ہے۔ اور کہیں انسانی تہذیب کے نشان۔ پس منظر سے آنے والی بہت ہی ہلکی موسیقی کی لہر کے ساتھ پتھر توڑنے کی آواز بھی ابھرتی ہے۔ اور دوسرے رخ سے لوہے سے، لوہا ٹکرانے کی آواز بھی آتی ہے۔ یہ آوازیں کچھ واضح ہوکر مدھم پڑجاتی ہیں لیکن برابر سنائی دیتی رہتی ہیں۔۔
ایک بہت ہی سست گفتار مرد کی گمبھیر آواز ابھرتی ہے۔

آواز = جانے کب کی بات ہے ۔ یہ کرۂ ارض بنا تھا ۔ (ایک جھنکار) وہ اِسی طرح گھومتا تھا، کسی کی تلاش میں ۔ چپ چاپ ، خاموش ، خاموش ۔ (وایلن کی تان) اسکی خاموشیوں کو انتظار تھا ۔ آواز کا ---- کئی آوازوں کا ۔ (پتھر توڑنے اور لوہے سے لوہا ٹکرانے کی آوازیں تیز ہو جاتی ہیں اور کچھ دیر جاری رہتی ہیں) ۔ پھر انسان آگیا ۔ میٹھے پانی کے چشمے ۔ پھل ہی پھل ، پھول ہی پھول رنگ ہی رنگ ۔ انسان آگیا ۔ یہ کرۂ ارض خوشی میں جیسے تیزی سے گھومنے لگا ہر طرف انسان ہی انسان نظر آنے لگے ۔ لاکھوں ، کروڑوں --- شہر بسنے لگے ، ملک بننے لگے ۔ سمندر بٹنے لگے ۔ اور پھر انسان مہذب ہو گیا ----

کچھ دیر پھر اسی موسیقی کی جھنکار ۔ ایک ناگوار سا شور ۔ اور گھڑی بھر بعد ایک ہیبت پیدا کرنے والا سناٹا ۔ بدرنگ روشنی ۔ جو دھیرے دھیرے مدھم پڑنے لگتی ہے ۔ اچانک طبلِ جنگ بج اٹھتے ہیں ۔ بھیانک انسانی چیخیں سنائی دیتی ہیں اور ساتھ ہی کچھ ایسی ہڑبونگ اور ایسی آوازیں جیسے اسٹیج پر وحشیانہ دوڑ بھاگ ہو رہی ہو ---- کچھ دیر یہی منظر رہتا ہے پھر یکلخت خاموشی چھا جاتی ہے اسٹیج پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور جنگل میں جیسے کیڑے بولنے لگ جاتے ہیں ۔ کر کر کر کرِ ---- یہ آوازیں ایک شدت کے ساتھ کچھ دیر مسلسل جاری رہتی ہیں اور پھر ٹوٹنے اور ڈوبنے لگتی ہیں ---- کچھ لمحوں بعد کچھ پرندوں کے چہچہانے کی آواز ابھرتی ہے ۔ اس کے ساتھ بانسری کی ایک دلفریب تان سنائی دیتی ہے ۔ لَے کچھ مدھم پڑتی ہے تو پس منظر ہی سے ایک دوشیزہ کی دلفریب ہنسی واضح طور پر سنائی دیتی ہے ۔ دیر تک ، جیسے وہ اپنے جذبات سے

بے قابو ہے۔

اب اسٹیج پر دھند لکے ہیں۔ایک مردِ جواں اسٹیج پر داخل ہوتا ہے جو ایک بہت ہی دلکش تاریخی لباس پہنا ہوا ہے۔ ہر طرف نظر دوڑاکر ایک زوردار قہقہہ لگاتا ہے)---- (نوجوان ۔ دیکھوں تو میں کتنی دور بھاگ سکتا ہوں ۔ یہ ساری زمین میری ہے ۔ہا۔ہا۔ہاہا۔ہا۔ہا(ایک بوڑھا آدمی بہت ہی آہستہ آہستہ اسٹیج پر آتا ہے ۔آگے بڑھتے ہوئے وہ ہر طرف دیکھ رہا اور بڑے ہی سنجیدہ لہجے اور گہری آواز میں کہہ رہا ہے؟))

بوڑھا= یہ ایک قتل گاہ ہے یہاں سب ایک دوسرے کا قتل کرتے ہیں ۔ ایک دوسرے کی جان لیتے ہیں ۔ یہ حرص وہوس یہ خوف و ڈر ۔ یہ ایک بہت بڑا جال ہے جس میں ہم سب پھنس چکے ہیں۔ پوری طرح پھنس چکے ہیں۔کوئی نہیں بچ سکا----

نوجوان = (اچانک چیخ پڑتا ہے) بند کرو یہ بکواس ۔ یہ فلسفہ ہے ۔ یہ اصلی زہر ہے جو ہم سب کی روح میں سرایت کر گیا ہے---- قتل اچھا ہے اس زہر سے ۔ ماردو اسے ۔ کر دو دو ٹکڑے اس فلسفے کے (زور سے چیخ پڑتا ہے) کاٹ دو اسے ۔کاٹ دو ۔آہ ۔(درد سے کراہ اٹھتا ہے)

(اچانک اسٹیج پر روشنی آجاتی ہے ۔اور موسیقی کی لہر پھوٹ پڑتی ہے۔ نوجوان اسٹیج کے بیچ اس طرح کھڑا نظر آتا ہے کہ اس کا سیدھا ہاتھ اوپر اٹھا ہوا ہے جو لہو لہان ہے----)

(روشنی بڑھ جاتی ہے ۔کچھ رنگ بھی بدلنے لگتے ہیں ۔ یکلخت ایک

دلفریب موسیقی کے ساتھ گھنگرووں کی جھنکار سنائی دیتی ہے ۔ اور ایک نوجوان رقاصہ رقص کرتی ہوئی اسٹیج پر آجاتی ہے ۔ جو اپنے رقص میں کھوئی ہوئی ہے ۔ رقص کی تال بڑی تیز ہے ----- ان گھنگرووں کی جھنکار کے ساتھ دوسرے رخ سے پتھر توڑنے کی آواز بھی واضح ہونے لگتی ہے ۔ گھنگرووں کی جھنکار اور موسیقی کی تیزلے کے ساتھ ساتھ دوسرے رخ سے تلواروں کے ٹکرانے کی آواز بھی آنے لگتی ہے ۔ اس نوجوان کی ایک دردناک چیخ سنائی دیتی ہے ۔ ساتھ ہی کسی دوسرے مرد کی سریلی آواز میں ایک دلفریب تان سنائی دیتی ہے ۔ لیکن وحشیوں کی چنگھاڑ بھی ہے ۔ اس کے باوجود رقاصہ کے گھنگرووں کی صدا بہت ہی دل لبھانے والی ہے ۔ پھر کچھ لمحوں میں ہر آواز دھیمی پڑجاتی ہے --- اسی بوڑھے کی آواز پہلے دھیمی پھر رفتہ رفتہ تیز ہوتی ہوئی سنائی دیتی ہے ----

بوڑھا = یہ سب انتشار ہے ۔ انتشار ---- زندگی کا مقصد ---- یہ سب انتشار ہے ، انتشار ۔ (بوڑھا باہر چلا جاتا ہے

--- وہی نوجوان مرد اسٹیج کے بیچ کھڑا نظر آتا ہے ۔ رقاصہ جاچکی ہے ۔ ہر آواز ڈوب چکی ہے ۔ نوجوان تنہا تنہا ہراساں پریشان ہر طرف دیکھ رہا ہے ----- اس پر ایک خوف طاری ہونے لگتا ہے ۔ وہ سہمی ہوئی آواز میں چیخ پڑتا ہے ۔)

نوجوان = کوئی ہے ؟---- کوئی ہے ؟ ۔ کوئی ہے --- ؟؟---

(ہر طرف اس کی چیخیں گونجنے لگتی ہیں ۔ وہ نیچے دیکھتا ہے)

ہونہہ، یہ ہے زمین - میرے پیروں تلے گھوم رہی ہے، گھوم رہی ہے -(اوپر نظر ڈالتا ہے) آسمان صاف ہے---- ہر طرف تارے ہی تارے ہیں--- (وہ اوپر کی طرف اس طرح ہاتھ اٹھاتا ہے، جیسے تاروں کو چھو رہا ہے -) ان تاروں میں کیا ہے؟ ان آسمانوں میں کیا ہے - ان خلاوں میں کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں -(پھر نیچے دیکھ کر) لیکن اس زمین میں بھی کیا ہے جلی بھنی تھی زمین - کالی کلوٹی---- (ایک قہقہہ لگا کر) یہاں دنیا تھی - تہذیب تھی تمدن تھے ---- فلسفے تھے--- سب جل گئے، جل کر خاکستر ہو گئے - وہ سب کچھ عارضی تھا---- اور---- دائم و قائم تھا تو ایک مردہ جسم وقت - آسمانوں کی خاموشی----- اور موت! (کچھ چیخ کر) موت - (گھبرا کر پوری قوت سے چیخ پڑتا ہے) -کوئی ہے!! -(آواز گونج جاتی ہے -) کوئی ہے!!! -(اس کی آواز گونجنے سے ماحول پر ایک وحشت سی چھا جاتی ہے - ہر طرف خاموشی ہے---- اس خاموشی سے موسیقی کی ایک ہلکی لہر پھوٹتی ہے اور اسٹیج کے ایک رنگ بھرے کونے سے ایک نوجوان دوشیزہ، آہستہ خرام، اپنی پلکیں جھکائے دھیرے دھیرے نوجوان کی طرف بڑھتی ہے----)

دوشیزہ = میں آگئی ہوں - میں وہی ہوں جس کو تم بلا رہے ہو---

(شرمائے لجائے ہنستی ہے---- ماحول خوشگوار ہو جاتا ہے - اس کا ہلکا پھلکا لباس ہولے ہولے اڑ رہا ہے---- وہ نوجوان کے پاس کھڑی ہو جاتی ہے-----) میں تمہارے ساتھ ہوں - دوش بدوش، قدم بہ قدم -

نوجوان = (دوشیزہ کو دیکھ کر کھِل اٹھتا ہے----) آہا تم! (آگے بڑھکر)

اس کے دونوں ہاتھ تھام لیتا ہے۔ اس کو قریب کرتے ہوئے) تم پھر مل گئیں ---- آہ دیکھو۔ تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں آگیا ہے تو کتنے راستے نظروں کے سامنے کھل گئے ہیں---- یہ حسین سبزہ زار۔ یہ حسین مرغزارا

دوشیزہ= یہ سب کچھ کتنا حسین ہے۔!

نوجوان= ہم جس خطۂ زمین پر کھڑے ہیں، وہ ایک مہاپرشوں کا دیش ہے، رشیوں منیوں کا دیش دیوی دیوتاؤں کا، مفکروں اور عالموں کا دیش ہے۔۔۔ اس دیش کے اتہاس میں، تاریخ میں کتنے انقلاب آئے---- (کھوئے ہوئے انداز میں آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے) انقلاب! ہاں انقلاب۔! (اسی انداز میں ہر طرف دیکھتا ہے. بڑی ہی سریلی موسیقی کی ایک لہر پھر سنائی دیتی ہے جیسے ہر طرف تازگی کی ایک لہر بڑھ رہی ہے جیسے باہر ایک ہجوم ہے جس میں کتنے ہی مردوزن شریک ہیں۔ سب نعرے لگارہے ہیں۔ نعروں کا شورا سٹیج کے باہر ہی سے سنائی دیتا ہے انقلاب زندہ باد۔ انقلاب، زندہ باد۔ انقلاب زندہ باد)

دوشیزہ= اف یہ کیسا دلچسپ شور ہے۔ دیکھو سب ادھر ہی آرہے ہیں۔ اسی طرف بڑھ رہے ہیں۔ (نوجوان ایک دو قدم باہر کی طرف بڑھتا ہے۔ جیسے ہر رخ سے آنے والی آواز کا جواب دینا چاہتا ہے۔)

نوجوان= (بلند آواز میں) ہم کو آج پھر ایک بار سوگند کھانی ہے۔ عہد کرنا ہے کہ اس دھرتی کو ہم سچ مچ سورگ بنادیں گے۔ جنت بنادیں گے۔ ہماری نس نس میں ایک نیا انقلاب پل رہا ہے---- یہ دلوں کا انقلاب ہے،

ذہنوں کا انقلاب ہے۔ ہم سب اپنے آپ کو بدل دیں گے اور ایک نئی دنیا بسائیں گے۔ نئی دنیا۔ انوکھی دنیا۔ انقلاب، زندہ باد۔

(سب شور مچاتے ہیں۔ نعروں کے ساتھ ایک ہنگامہ برپا ہے۔ دھیرے دھیرے یہ شور پس منظر میں چلا جاتا ہے---- بائیں طرف سے ایک سفید ریش آدمی صاف ستھرا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی ہے جو اس کی ساتھی بڑھیا تھامے ہوئے ہے اور بوڑھے کو راستہ بتا رہی ہے۔ بڑھیا کا چہر بھی بہت نورانی ہے۔ دونوں تقریباً جھکے جھکے چلتے ہیں---)

بوڑھا اور بڑھیا= (اسٹیج پر آتے ہوئے) انقلاب، زندہ با۔ انقلاب، زندہ باد۔

دوشیزہ= (زور سے ہنس پڑتی ہے) ارے دیکھو۔ انقلاب آگیا۔ (اور ہنستی ہے)

نوجوان= دیکھو دونوں کتنے جوش میں ہیں۔

بوڑھا بڑھیا= انقلاب زندہ باد۔ (دونوں کی نظر نوجوان اور دوشیزہ پر پڑتی ہے)

بڑھیا= انقلاب زندہ باد۔

بوڑھا= (بڑھیا سے) ذرا ٹھہرو۔

نوجوان= کہنے دیجئے نا۔

بوڑھا= نہیں۔ بس ہم نے ایسے نعرے بہت لگائے ہیں۔ لیکن

انقلاب نہیں آیا۔ کیا تم انقلاب ہو؟ (بڑھیا اس سوال پر بے طرح ہنسنے لگتی ہے اور نوجوان سے کہتی ہے)

بڑھیا: دیکھو جی۔ انقلاب بھی بھلا کوئی انسان ہوتا ہے؟۔ وہ بھی تم جیسا خوبصورت؟

دوشیزہ: ہاں انقلاب تو بہت خوبصورت ہوتا ہے؟

بڑھیا: تم کہتی ہو (نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ خوبصورت ہے؟ ہیں؟ (دوشیزہ شرما کر نظریں جھکا لیتی ہے۔ بڑھیا ہنس کر) شرما گئی نا؟ سنو۔

دوشیزہ: کہئیے۔

(بڑھیا: آسمان کی طرف گھورنے لگتی ہے جیسے فضا میں کچھ کھوج رہی ہے) سنو۔ میرے دو بیٹے تھے (نوجوان کو بتاتے ہوئے) ان جیسے ہٹے کٹے۔ اور بڑے ہی من موہنے پیارے پیارے۔ لیکن ----- کہتے کہتے رک جاتی ہے)

دوشیزہ: لیکن ----- بولئے نا۔

بڑھیا: وہ دونوں یہی نعرے لگاتے تھے۔ انقلاب زندہ باد۔ پھر جنگ آزادی میں شدت پیدا ہوگئی اور ----- اور میرے دونوں بیٹے کام آئے بھری جوانی میں۔ (سر جھکا لیتی ہے۔ لمحہ بھر خاموشی چھا جاتی ہے۔ بوڑھا بھی آسمان کی طرف دیکھنے لگتا ہے پھر بڑھیا بوڑھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

اس واقعے کے بعد ہم یہی نعرہ لگاتے ہیں۔ یہاں، وہاں کئی بار (بڑھیا اچانک زور سے ہنسنے لگتی ہے۔ اس کی ہنسی ایک عجیب سی ہنسی ہے۔ نوجوان

اور دوشیزہ بھی ہنسنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ان کی ہنسی بے ڈھنگی لگتی ہے ماحول پر ہلکا سادکھ چھا جاتا ہے ۔)

نوجوان= لیکن ماں جی ۔(کچھ پر اعتماد لہجے میں) آپ کا وہ بلیدان رائگاں نہیں جائیگا ۔ مجھے یقین ہوتا ہے کل یہ اندھیرے چھٹ جائیں گے ۔ ہر طرف نور برسے گا ۔ روشنی ہی روشنی ہوگی ۔ وہ دیکھئے اوپر آسمان نیلگوں اور مشفق ہے ۔ چاروں دشاؤں سے پیار بھری سرگوشیاں سنائی دے رہی ہیں ۔ یہ آسمان ہن برسائے گا ۔ شانتی کا ۔ امن کا ۔ یہ دھرتی سونا اگلیگی ۔ جوان ، جوان تازہ فصلوں کا ہم سب کے لئے ۔

بوڑھا= واہ کیا انقلاب ہے ۔ ہن ہی ہن ، سونا ہی سونا ۔ انقلاب ہی انقلاب ۔

دوشیزہ اور بڑھیا= انقلاب ۔ زندہ باد ۔ (ایک دوسرا نوجوان داخل ہوتا ہے ۔ صحت مند ہے ، ڈھیلا ڈھالا سفید لباس پہنا ہوا ہے ۔ اس کے سر کے بال بہت لانبے ہیں ۔ اس کے چہرے پر موزوں ڈاڑھی ہے ۔ یہ فنکار ہے) ۔

فنکار= (تقریباً دوڑتا ہوا اسٹیج پر داخل ہوتا ہے جیسے بہت غصے میں ہو ۔ اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے ۔ اسٹیج کے بیچ آکر چیخ پڑتا ہے ۔ لہجے کو کھینچ کر) انقلاب ------ زندہ باد ۔ بند کرو یہ نعرے ۔ یہ بکواس ۔ اس نعرے کے پیچھے کچھ نہیں ۔ یہ ایک کھوکھلا نعرہ ہے ۔ (فنکار بھرپوری قوت سے چیخ پڑتا ہے) انقلاب ---- (آواز گونج جاتی ہے اور پھر سناٹا چھا جاتا ہے ۔ وہ سب کی طرف دیکھنے لگتا ہے ۔ اچانک بڑھیا اس کی طرف اشارہ کرکے

تضحیکانہ انداز میں ہنسنے لگتی ہے)۔

بڑھیا= ہی، ہی، ہی۔ہاہاہا۔ہی، ہی، ہی۔(تھوڑی دیر بعد بوڑھا بھی ہنسنے لگتا ہے۔ پھر نوجوان اور دوشیزہ بھی ہنسنے لگتے ہیں۔سب ہنستے ہیں)۔

فنکار= (غصے میں چیخ کر) چپ رہو۔(سب چپ ہو جاتے ہیں اور اس کی آواز گونج جاتی ہے) تمہاری یہ ہنسی اتنی کھوکھلی ہے جتنا تمہارا یہ نعرہ۔(وہ بے چینی سے اسٹیج پر ادھر ادھر ٹہلنے لگتا ہے۔اور ایک ہی لہجے میں بڑبڑانے کے انداز میں) یہ ایک زہریلا نعرہ ہے۔اس کی ایک خوں آشام تاریخ ہے۔پچھڑی ہوئی ہتذیب ہے اس نعرے کے پیچھے آنے والی زہریلی ہوائیں ہیں۔ بھوک ہے افلاس ہے۔بیماری ہے اُف اس نعرے کے نیچے دفن میری ساری زندگی ہے (وہ تیزی سے دوشیزہ کے پاس جاکر اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کرتا ہے)۔ مین نے بھی پیار کیا تھا۔(دوشیزہ اپنا ہاتھ چھڑاتی ہے اور پہلے نوجوان کو دیکھتی ہے۔پہلا نوجوان اس کی ڈھارس بندھانے کے انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیتا ہے۔

بڑھیا= ارے ---- ارے دیکھو(فنکار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)
یہ تو کوئی مجنوں لگتا ہے بیچارہ ----

(گہری سانس لے کر بڑھیا کا ہاتھ پکڑ کر جھلاتے ہوئے)

لیلیٰ لیلیٰ پکاروں میں بن میں
پیاری لیلیٰ بسی میرے من میں

(بڑھیا زور سے ہنس دیتی ہے۔دوشیزہ بھی نوجوان کی طرف دیکھتی ہے

اور بڑھیا کے ساتھ ہنس پڑتی ہیں ۔ نوجوان نہیں ہنستا، وہ فنکار کو تکتا رہتا ہے)

نوجوان = تم تو کوئی بہت بڑے فنکار معلوم ہوتے ہیں ۔

فنکار = (کچھ چڑ کر اس کو چپ رہنے کے لئے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر، شش، کہتے ہوئے) چپ رہو، چپ رہو ۔ اس لفظ سے مجھے نفرت ہے ۔ میں سب کچھ ہوں مگر فنکار نہیں ہوں ۔ چپ ہوجاو میں ایک سادا، سیدھا انسان ہوں ۔ (لہجہ بدل کر اور کچھ اکتاہٹ کے انداز میں) کل یہ گیت کتنے سریلے تھے سب دھیان سے سنتے تھے ۔ کروڑوں لوگ گاتے تھے، جن کے بول تھے ----- ہم بھوکے ہیں ۔ ہم ننگے ہیں ۔ ہم مردہ ہیں ۔ ہم محلوں کے نیچے دفن ہیں ۔ اف آج وہی گیت کتنے پھیکے اور بے رس ہوگئے ہیں ۔ کتنے پرانے اور گھناونے لگتے ہیں ۔ کوئی دھیان نہیں دیتا ۔ کوئی نہیں سنتا ----- میں جارہا ہوں ----- میں جارہا ہوں ۔

(وہ واپس جانے کے لیے مڑتا ہے)

پہلا نوجوان = ٹھہرو -----

(فنکار ٹھہر جاتا ہے)

بوڑھا = ہاں بیٹے ٹھہرو ۔ تم تو سچ مچ دیوانے لگتے ہو ۔

بڑھیا = بات کا کوئی سر ہے نہ ٹانگ ۔ واہ ۔

دوشیزہ = (پہلے نوجوان سے) تم کیوں نہیں پوچھتے ان سے کہ ان کا دکھ کیا ہے؟

نوجوان = (دوشیزہ سے) یہ وہ انسان ہے جس کی ہمت ٹوٹ چکی ہے ۔

جس کی امید چھن گئی تھی اس کے جسم و جان کو مایوسی چاٹ رہی ہے ۔ تم چپ رہو

فنکار= میں سب کچھ سن رہا ہوں ۔

نوجوان= تم کو سننا چاہیئے ۔ اس لیے کہ ان پرانے گیتوں کا زمانہ گزر چکا ہے ۔ اب ایک نیا زمانہ جنم لے رہا ہے ۔ نیا زمانہ ، زندہ ، پائندہ ۔ اب ایک نیا آکاش ہوگا ۔ نئی دھرتی ہوگی ۔ خوشیوں کا نور ہوگا ۔ خوشیوں کی فصلیں ہوں گی ۔

فنکار= تم مجھ سے بڑے فنکار معلوم ہوتے ہو ۔

بڑھیا اور بوڑھا= (دونوں ایک ساتھ تالیاں بجاتے ہوئے ایک شور مچانے لگتے ہیں ----) ۔ ارے ، واہ ، واہ ، واہ ۔ کیا بات کہہ دی ۔

دوشیزہ= (بوڑھے اور بڑھیا سے) آپ دونوں کتنے اچھے ہیں ، آپ لوگ بوڑھے ہیں اور ہنستے ہیں اور یہ دونوں نوجوان ہیں اور روتے ہیں ۔

نوجوان= میں نہیں ۔ یہ روتا ہے ۔ اس لیے کہ یہ گزرا ہوا کل ہے ۔ میں آج ہوں ۔ اس لیے ہنستا ہوں ۔

دوشیزہ= تم ہنسو ، خوب ہنسو اور ان کو بھی ہنساؤ ۔

فنکار= (طنزاً یہ مصرع دہراتا ہے) ۔ کون کسی کا غم بانٹے ۔ اور کون کسی کا دکھ جانے ۔

نوجوان= (جوش میں چیخ پڑتا ہے) ۔ نہیں !! وہ سب بھول جاو ۔ وہ تاریخ مت دہراو ۔ وہ جھوٹ ہے فریب ہے ۔ میری سنو ۔ ہم کو ہمارا اصلی

دشمن مل گیا ہے اس کا مقابلہ کرو۔ وہ دشمن تمہارے اندر ہے۔ ہمارے اندر بھرا ہوا اندھیرا اپنے یقین سے اپنے آپ کو روشن کرلو۔

بوڑھا= (اچانک بول پڑتا ہے ارے فلسفہ!! اسٹیج پر کچھ سامنے آکر اپنی آنکھیں پھاڑے، واضح آواز میں) ۔ یہ تو فلسفہ ہے ۔ ایک دوسرا فلسفہ ۔ بھاگو۔

بڑھیا= (بوڑھے کے قریب آکر) فلسفہ!! اف مجھے اس سے بچاو اس عمر میں فلسفہ نہیں آرام چاہیے۔

دوشیزہ= ہاں ہاں یہ سچ کہتے ہیں مجھے بھی فلسفہ سے وحشت ہوتی ہے۔

(بوڑھا، بڑھیا، دوشیزہ اور فنکار، سب مل کر)۔

ارے فلسفہ!! ۔ پھر فلسفہ!! بھاگو، بھاگو ۔ دور بھاگو ۔ بچالو اپنی زندگی کو بھاگو ۔ بھاگو ۔ سب بھاگنے لگتے ہیں----- صرف نوجوان کھڑا ہوا ہے اور ان کو بھاگتے ہوئے دیکھ رہا ہے----- اچانک سب اپنی جگہ بھاگنے کے انداز میں ساکت ہوجاتے ہیں----- وہی ایک بوڑھے کی سست رفتار اور گہری آواز ابھرتی ہے) آواز (ہنستے ہوئے) یہ کرۂ ارض ہے ۔ جانے کب بنا تھا----- میں ----- میں تو ایک پیڑ ہوں ایک پتھر ہوں ۔ ندی ہوں، کہسار ہوں ۔ ارے، میں تو آسمان ہوں ۔ اور یہ میری آواز ساری کائنات میں گونجنے والی آواز----- انقلاب آئے گا----- ضرور آئے گا۔ ----- اور ہم سب اس پر ایک دم ٹوٹ پڑیں گے-----) ۔ واہ

پردہ

دوسرا ایکٹ

ایک بہت ہی خوبصورت مکان کا ڈرائنگ ر.م کافی کشادہ اور بالکل ہی نئے فرنیچر اور نوادرات سے سجا ہوا ہو۔ ممکن ہو سکے تو فرنیچر بھی کوئی غیر معمولی وضع کا ہو۔ اور تزئین ایسی ہو کہ ہر چیز کچھ دگرگوں نظر آئے۔ یہ آج سے قریب نصف صدی آگے کی زندگی ہے۔ جتنے کردار اسٹیج پر آتے ہیں وہ سب بالکل نئے انداز سے سوچتے ہیں۔ ان کے خیالات آج کے خیالات سے بالکل مختلف ہیں۔ لباس مختلف ہیں۔ ایک عجیب وغریب طرز حیات نظر آتا ہے۔ جب پردہ اٹھتا ہے تو ایک نوجوان لڑکی جس کی عمر ۱۹ سال ہے اور اس کا نام شومی ہے، ایک صوفے پر بیٹھی کچھ مطالعہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کے چہرے پر ایک استعجاب کی سی کیفیت ہے۔ اس کی آنکھیں کچھ زیادہ کھلی ہوئی ہیں اور اس کے خوبصورت ہاتھ کی انگلی اس کے گال پر ہے جو تعجب کے اظہار کے لیے ہے۔ اسٹیج کے داہنی رخ سے نقیب داخل ہوتا ہے جو بڑا ہی بنا ٹھنا لگتا ہے۔ ۲۴-۲۵ سال کا نوجوان، بڑا ہی اسمارٹ اور خوش مزاج۔ صحت مند۔ جیسے ہی اسٹیج پر آتا ہے، بڑے ہی پیار سے شومی کو مخاطب کرتا ہے)

نقیب = ہلو شومی، دیکھو میں آگیا۔

شومی = (اس کی طرف دیکھتی نہیں صرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے) ٹھہرو۔

نقیب = اچھا ٹھہر گیا۔ دیکھو میری طرف۔

شومی = اف۔ اچھا دیکھ لیا۔ بس

نقیب= آج تو بڑے انوکھے انداز میں پڑھ رہی ہو۔ آنکھیں پھٹی ہوئیں ہونٹ مسکراتے ہوئے۔ لال لال گال پر لال انگلی واہ کیا پڑھ رہی ہو اس طرح؟

شومی= اپنے دیش کی تاریخ۔ اہتاس History

نقیب= ارے، ارے اتنی ساری بھاشاؤں میں بات کیوں کر رہی ہو،

شومی= میں اس دیش کی باسی ہوں جہاں جتنے انسان بستے تھے اتنی بھاشائیں تھیں یعنی زبانیں (زبان نکال کر نقیب کو چڑاتی ہے)

نقیب= لیکن معلوم ہے تمہیں اتنی ساری زبانیں تو تھیں لیکن کوئی کسی کو سمجھتا ہی ہنیں تھا۔

شومی= اور اب؟

نقیب= یہیں دیکھ لو۔ ہم نے ایک دوسرے کو کتنی آسانی سے سمجھ لیا۔ کسی زبان کی ضرورت ہی ہنیں پڑی۔

شومی= ایسی بات ہنیں----- آج کل ہر چیز آٹو یٹک ہو گئی نا۔ تو یہ پیار پریم کی باتیں بھی آٹو یٹک ہو گئی ہیں۔ لڑکے نے لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی ہنسی اور پھنسی۔ بس آٹو یٹک پیار ہو گیا، محبت ہو گئی۔

نقیب= تو چلو، کل آٹو یٹک شادی بھی کر لیں۔ شادی آفس کو چلیں پھر۔؟

شومی= وہاں کیوں جائیں۔ ٹیلی وائزڈ فون پر بات کر لیتے ہیں اور آٹو پرنٹر

سے وہاں کے رجسٹر پر دستخط کر دیتے ہیں۔

نقیب = اور پھر ٹیلی فیڈنگ چیانل Tele - Feeding Channal پر ڈنر کھالیتے ہیں اور پھر بٹن دبا اور حجلۂ عروسی میں غائب ------واہ۔

شومی = اچھا ٹھیک ہے۔ وہ کل کی بات ہے لیکن آج ایک بات بتاؤ۔

نقیب = کہو۔

شومی = میں آج پھر پڑھ رہی تھی ہمارے دیش میں کتنے لوگ روز بھوکے مرتے تھے بے شمار وبائیں پھیلتی تھیں یہاں۔ جنگیں ہوتی تھیں۔ لاکھوں لوگ مارے جاتے تھے۔ قتل و خون ہوتے تھے، ہر طرف افلاس تھا۔
گاؤوں میں قحط پڑتے تھے کتنے ہی غریب کسان ساری زندگی بھوکے رہ کر گزار دیتے تھے۔

نقیب = یہ سچ ہے، ہوتا تھا، ایسا ہوتا تھا۔

شومی = (ہاتھ کے اشارے سے کہتی ہے ٹھہرو بات نہ کرو) نوجوان لڑکیاں پیار پریم کرتی تھیں، برہ گاتی تھیں-------- یا تو اپنے عاشقوں کی ہوجاتیں یا پھر ہمیشہ کے لیے بچھڑ جاتی تھیں۔ اور ایک گہرے دکھ میں سارا جیون بتادیتی تھیں-------- ہائے وہ دکھ کیسا ہوتا ہوگا؟

نقیب = ان باتوں کا اب یہاں ذکر کیا؟

شومی = اف! نقیب، دیکھو وہ دکھ، وہ سب کچھ کتنا رومانٹک ہوا کرتا ہوگا۔

نقیب = اف، رومانٹک! مرجانا۔ بچھڑجانا-------- تڑپ تڑپ کر جان دینا-------- رومانٹک!

شومی = ہاں ہاں ۔ وہ سب کچھ مجھے بڑا ہی رومانٹک لگتا ہے ------- ہائے ۔ چلو نقیب، ہم روئیں گے ۔

نقیب = روئیں گے! بھلا کیوں؟

شومی = افوہ، ہم ویسے کیوں نہیں ہیں ۔ ہمارے پاس کوئی رومان ہی نہیں ------ بس تم نے مجھے چاہا میں نے تمہیں چاہا اور پورا رومان ہوگیا -----

No نقیب ۔ چلو، ہم روئیں گے نا ----- اچھے نقیب ۔ (اس کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے)

نقیب = ارے، ارے، ذرا ٹھہرو تو ----- میری بات تو سنو ۔

شومی = (چڑ کر) تم نہیں رو سکتے تو میں رو ئنگی

نقیب = تم کو رونا آتا ہے؟

شومی = ہاں (صورت بنا کر رونے لگتی ہے) آں، آں ۔

نقیب = افوہ، کتنی مہمل بات ہے یہ!

شومی = مہمل، بے معنی ----- تم ایک مشین ہو ۔ تم کو کیا معلوم انسان کیا ہوتا ہے ۔ جانتے ہو رونے سے آنسو آتے ہیں اور آنسو؟ آنسو زندگی کے سارے معنوں کا نچوڑ ہوتے ہیں ۔ آں، آں ۔

نقیب = لیکن تم جانتی ہو ۔ وہ زمانہ گزر گیا جب بچہ پیدا ہوتے ہی رونا شروع کر دیتا تھا اب بچہ ہنستا ہوا پیدا ہوتا ہے ۔

شومی = ہائے، ہائے یوں نہ کہو ۔ کیا زمانہ آگیا ۔ اب بچہ بھی نہیں روتا ---- آں، آں ۔

نقیب = ذرا ٹھہرو، تم جس طرح رو رہی ہو نا وہ رونا نہیں ہے ۔

رومانٹک رونا تو ایسا ہوتا ہے، میں تمہیں بتاتا ہوں۔

شومی= اچھا، بتاو۔

نقیب= (ایک غم زدہ فلمی ہیرو کا پوز بنا کر، سینے پر ہاتھ رکھ کر، ٹھنڈی سانس بھرتا ہے۔ پھر مایوس نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھتا ہے) آہ، تم مجھ سے کیا بچھڑ گئیں، مجھ سے میری زندگی چھن گئی۔ اب مجھ سے اور کچھ برداشت نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی جان دے دوں گا۔ (بلند آواز سے) آہ۔

شومی= آہ، یہ سب کچھ کس قدر رومانٹک ہے۔ How Scintilating نقیب، پلیز سچ مچ تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔

نقیب= کیا نہیں کرتے؟

شومی= چلو ہم بچھڑ جائیں۔

نقیب= بچھڑ جائیں؟ اچھا تو یہی صحیح۔ (اس کے بہت قریب جا کر اسے لپٹانے کی کوشش کرتے ہوئے) تو ایک بار اچھی طرح مل لیں۔ آو۔

شومی= نہیں پہلے وعدہ کرو تم مجھ سے ضرور بچھڑ جاوگے اور مجھے غم مل جائے گا۔

نقیب= وعدہ۔

شومی= اچھا بتاو، آخر وہ غریبی کیوں ختم ہو گئی۔ اب وہ بھوکا پن ہے نہ وبائیں نہ جنگیں نہ قتل و خون ------ وہ جبر نہ وہ ظلم۔ آخر کس نے انسان کو ایسی بھری پری دنیا سے محروم کر دیا ------ آہ، کیا Variety

تھی۔

نقیب= محروم کر دیا؟ کیا کیا سوچنے لگی ہو۔ میں آج پروفیسر صاحب سے ضرور کہہ دوں گا کہ تمہارے خیالات خراب ہو گئے ہیں۔

شومی= پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ خیالات اچھے ہوتے ہیں نہ خراب۔ میرا خیال تم کو خراب لگتا ہے۔ تمہارا خیال مجھے خراب لگتا ہے۔ لہذا دونوں خیال خراب ہوتے ہیں یا دونوں اچھے ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر ایک انسان اپنے انداز میں سوچنے کا حق رکھتا ہے------

Freedom of Thought

Freedom of Speach

نقیب= یہ آزادیاں تو صرف عورتوں کو حاصل رہتی ہیں۔

شومی= پروفیسر صاحب تو کہتے ہیں کہ عورت اور مرد میں کوئی فرق ہی ہنیں

نقیب= اف شومی۔ مرد اور عورت کے فرق ہی کو تو محبت یا رومانس کہتے ہیں۔

شومی= غلط، پروفیسر صاحب کہتے ہیں خواہ وہ عورت ہو یا مرد، اس کو زندگی میں اپنے ہر جذبے کے استعمال کا موقع ملنا چاہیے-----محبت، غم، خوشی، غصہ، نفرت، ظلم، بغض، حسد، جلن۔ تب کہیں انسان کے وجود کو صحیح آزادی ملتی ہے۔

نقیب= اچھا، اچھا، میں تمہیں تمہارے ہر جذبے کے استعمال کا موقع

دوں گا ۔ مجھے اس وقت تم صرف ایک آزادی دے دو یعنی ------

Freedom of Action

شومی: کیا مطلب---

نقیب: مطلب یہ کہ میں اس طرح تمہارا ہاتھ پکڑوں گا ۔ (اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے) اس کے بعد اس طرح قریب کھینچوں گا ۔ (اس کو قریب کرتے ہوئے) ۔ اور پھر ۔ (اس پر جھکتا ہے کہ ایک شور سا ہوتا ہے جیسے کوئی قہقہے لگاتے ہوئے گھر میں داخل ہو رہا ہے ۔ ایک اور نوجوان جوڑا ، لڑکے کا نام سوہن ہے اور لڑکی کا نام سیما ۔ دونوں بہت ہی پر کشش لگتے ہیں ۔ نوجوان بہت ہی خوب رو اور صحت مند ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا ہی محنتی لگتا ہے ۔ وہ بہت ہی کھیلنڈرے قسم کا نوجوان ہے ۔ لڑکی خوبصورت اور متناسب بدن والی ساتھ ہی خوش مزاج بھی لگتی ہے ۔ دونوں قہقہے لگاتے ہوئے اس طرح داخل ہوتے ہیں جیسے دور سے دوڑتے ہوئے اور ہنستے ہوئے آرہے ہیں اور نڈھال ہو رہے ہیں ۔ نقیب اور شمی ان دونوں کو بڑی ہی دلچسپی سے دیکھتے ہیں ۔ سوہن اور سیما بڑی ہی بے تکی باتیں کرتے ہیں یعنی ان کی ایک بات سے دوسری بات کا کوئی ربط ہنیں رہتا سوہن اسٹیج پر آکر سیما کو شومی کی طرف دھکیل دیتا ہے ۔ وہ شومی سے لپٹ کر جھوم جاتی ہے اور اسی طرح سوہن نقیب سے لپٹ جاتا ہے اور سوہن اور سیما ایک دوسرے کو دیکھ کر زور سے ہنستے ہیں)

نقیب: ارے ، رے ہم کو بھی بتاؤ کیا بات ہوئی آخر؟

سوہن: اف ، ہم بہت دور سے دوڑتے ہوئے چلے آرہے ہیں ۔

نقیب: کیوں ؟

سیما= بس یوں ہی قریب ایک کلو میٹر پیچھے راستے پر ہی ہم نے کار چھوڑ دی ۔جی میں آیا بھاگو بس بھاگے چلے آرہے ہیں ۔

شومی= مزہ آگیا نا؟

سیما= ہاں کیا کہوں ۔

سوہن= ہم لوگوں نے کل شادی کرلی ۔

نقیب= تم دونوں نے ؟

سوہن= ہاں ۔

نقیب= کس سے ؟

سیما= ایک دوسرے سے ۔(زور سے ہنستی ہے ۔شومی بھی ہنستی ہے پھر سب ہنستے ہیں) ۔

نقیب= لیکن یہ گاڑی راستہ پر چھوڑنے اور شادی کرنے میں کیا سمبندھ ہے ۔

سوہن = سمبندھ ؟ ضرورت کیا ہے ۔ میں نے کل شادی کی، آج گاڑی چھوڑدی ۔کل کتاب پڑھوں گا۔ پرسوں کپڑے بنالوں گا۔

شومی = (زور سے ہنس دیتی ہے) ۔What a Fereedom of! Speach

سیما= واہ، واہ، واہ ۔

نقیب= ہاں تو بتاؤ شادی کیسی ہوئی ۔

سوہن = شادی کیسی ہوئی ؟ بالکل ایسی ہی جیسے میں کھیت میں کام کرتا

ہوں ۔ اور (سیما کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) سیما گھاس کاٹتی ہے ۔ تم میری مشین بناتے ہو اور شومی کپڑے سیتی ہے ۔

نقیب = آخر ان ساری باتوں کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے ؟

سوہن = پھر وہی ؟ ارے تعلق کی کیا ضرورت ہے ۔ دیکھو آج میں نے سوٹ پہن لیا، سیما نے مجھے ایک گانا سنا دیا۔

نقیب = واہ، واہ زمانہ کیا ترقی کر رہا ہے ۔

شومی اچھا ایک بات کہو سوہن ۔ تم کو رونا آتا ہے ؟

سوہن = رونا؟ کیا مطلب ؟ ۔ ہاں آتا ہے ۔

شومی = کیوں آتا ہے ۔

سوہن = اس لئے کہ رونے کا ریہرسل کیا ہے ۔

نقیب = واہ، واہ اب ایک تُک کی بات کی ۔ دیکھو شومی ۔ سوہن نے شادی کر لی ۔ اسے رونا آگیا چلو ہم بھی شادی کر لیں ۔ ہم کو بھی رونا آجائے گا۔ چلو ۔

سوہن = جاو، جاو، جلدی جاو ۔ یہ سارا کمرہ ہم کو چاہیے ۔ جاو ۔ چلو ۔ بھاگو یہاں سے ۔

شومی = (سوہن سے) ٹھہرو مچخو مت ۔ تم جانتے ہو ۔ تمہاری طرح کھیت میں کام کرنے والے لوگ پہلے اجڈ گنوار اور مفلس و مظلوم ہوتے تھے ۔

سوہن = ارے رے ، اُس زمانے میں تو سارا دیس ہی غریب بھوکا اور ننگا تھا ۔

نقیب= لیکن گھاس کاٹنے والی اس زمانے میں بڑی رسیلی ہوتی تھی۔

ہے نا؟ ۔

سوہن= ارے جاو نکلو یہاں سے۔ تم دونوں جلدی سے شادی کرآو،

جاؤ ارے یہ کیا؟ پروفیسر صاحب آگئے۔ (پروفیسر داخل ہوتا ہے۔ لمبا قد،

صحت مند ۶۰، ۶۵ سال عمر۔ چہرہ بہت ہی بارعب اور سرخ اور سفید۔ سر پر

گھنے بال جو سفید ہو چکے ہیں۔ بہت ہی شاندار سوٹ پہنے ہوئے ہاتھ میں ایک

چھوٹا سا بریف کیس ہے۔ گفتگو کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ باوقار بھی ہے

اور خوش مزاج۔ سب کے ساتھ بہت ہی شفقت سے پیش آتا ہے جب اسٹیج پر

داخل ہوتا ہے تو بہت خوش نظر آتا ہے۔)

پروفیسر= (دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے) آجاو، آجاو، بچو بڑی اچھی بات

بتاتا ہوں۔ ایک بہت بڑا کام کرنا ہے۔ (سب کے سب پروفیسر کے قریب

چلے جاتے ہیں۔ (کوئی نمستے کہتا ہے، کوئی آداب کرتا ہے اور کوئی Good

Evening کہتا ہے) ۔ جیتے رہو جیتے رہو کیوں اور لوگ نہیں آئے۔

نقیب= ابھی آتے ہی ہونگے۔

پروفیسر= (شومی پر نظر ڈال کر) ارے شومی۔ تم وہاں کیوں کھڑی ہو۔

نقیب= پروفیسر صاحب، یہ رونا چاہتی ہے۔

پروفیسر= رونا۔ کیوں۔؟

سوہن= جی دراصل یہ رونا سیکھنا چاہتی ہے۔

پروفیسر: وہ، ہم سکھادیں گے۔ کیوں سیما، کیوں نقیب؟

(سب زور سے ہنس دیتے ہیں) اچھا شومی، سچ بتاو کیا بات ہے؟

شومی: یہ سب سچ کہہ رہے ہیں۔

پروفیسر: سچ! یعنی تم رونا چاہتی ہو۔

شومی: ہاں۔

پروفیسر: لیکن اس معاملے میں تم لیٹ ہو گئیں۔رونے کا زمانہ تو گزر گیا اب صرف ہنسنے ہنسانے کا زمانہ ہے۔ محنت، کھیل، ہنسنا گانا اور بے خوف جینا (شومی کا ہاتھ پکڑ کر) چلو چلو، اب ہم کو ایک بڑا جشن منانا ہے۔

شومی: کس بات کا جشن۔

پروفیسر: معلوم ہوتا ہے، تم سب نے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ آج سے ٹھیک سو سال پہلے ہمارے دیش میں ایک بہت بڑا انقلاب آیا تھا کہ اونچے اونچے پہاڑوں کے سر جھک گئے تھے بڑے بڑے دریاؤں کے رخ بدل گئے تھے۔دیش کی ساری دھرتی سیراب ہو گئی تھی۔ سونا اگل رہی تھی۔ اور سب گا رہے تھے، ناچ رہے تھے۔ (جیب سے ایک چھوٹا سا خوبصورت کیس نکالتا ہے اور اس میں لگا ہوا ایک بٹن دبا دیتا ہے۔ بڑی ہی سریلی آواز میں یہ گیت سنائی دیتا ہے) -----

سارے جہاں سے اچھا ، ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی ، یہ گلستاں ہمارا

ہے نا سچ بات، ہمارے دیش کی یہ زبان اردو کتنی میٹھی ہے اور اس کا شاعر اقبال کتنا بڑا انسان ہے۔

نقیب: تو اب، ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔

پروفیسر: اب، ہم سب ایک ڈرامہ کھیلیں گے۔

سوہن اور سیما: ڈرامہ! ارے واہ! ۔(صرف سوہن) بڑے ہی مزے کی بات ہے پروفیسر صاحب، ہماری تو شادی ہوگی۔

پروفیسر: تو چلو پھر ریہرسل کرتے ہیں۔

سوہن: کاہیکا۔شادی کا یا ڈرامے کا؟

(سب ہنستے ہیں)

شومی: اچھا پروفیسر صاحب۔ہم جس انقلاب کا جشن منانے جارہے ہیں وہ انقلاب کیوں آیا تھا۔

پروفیسر: آیا نہیں تھا۔لایا گیا تھا۔

شومی: کیوں؟

پروفیسر: وقت کی ضرورت تھی۔وقت شدید بیمار تھا۔اس کی صحت کے لیے زندگی کے لیے انقلاب کی ضرورت تھی۔

شومی: وقت بیمار ہوگیا تھا؟

پروفیسر: ہاں ۔ بہت شدید ۔ اور کئی بار تو بالکل سیریس ہوگیا تھا ----- لیکن اس انقلاب نے اس کو صحت دے دی تھی---- وقت کی صحت ہی، ہماری صحت ہوتی ہے۔

(بزرگ داخل ہوتے ہیں۔ان کی عمر قریب ۱۵۰ ایک سو پچاس سال ہے۔پستہ قد آدمی ہیں۔کوتاہ گردن ہے۔بھرا بھرا بدن ہے۔سر کے بال

سفید اور گردن تک بڑھے ہوئے ہیں۔ سفید داڑھی ہے۔ چہرے پر عجیب تازگی ہے آنکھوں میں روشنی ہے ---- ہنس مکھ آدمی ہیں۔ بڑے ہی دیدہ زیب لباس میں ملبوس ہیں۔ بالکل موزوں اسٹائل کا فل سوٹ ہے۔ بو ٹائی لگائے ہوئے ہیں۔ گفتگو میں عالمانہ انداز ہے اور کھلنڈرا پن بھی ---- اسٹیج پر داخل ہوتے ہوئے)۔

بزرگ: (داخل ہوتے ہوئے) وقت کی صحت۔ ہاہاہا۔۔۔(قہقہہ لگاتے ہوئے) وقت کی صحت۔ خوب بات ہوئی ---- دیکھو، ہم کو دیکھو، وقت کی صحت تو ہم ہیں۔ دیکھو کیسے لگاتار جی رہے ہیں اور یہاں آرہے ہیں۔

پروفیسر: خوش آمدید کمال صاحب۔

دوسرے سب آدمی: آداب عرض ہے۔ آداب عرض ہے۔

بزرگ: جیتے رہو۔ جیتے رہو ---- ہم سے زیادہ عمر پاو۔

نقیب: چشم بددُور ---- کیا عمر ہوگی کمال صاحب آپ کی۔

بزرگ: کیا سمجھتے ہو مجھے۔ بالکل نوجوان ہوں۔ (شومی اور سیما سے) کیوں حسینو، پسند ہیں نا ہم تم کو ----؟

سوہن: ارے، ارے، کمال صاحب۔ میری اور سیما کی شادی ہوگئی ہے۔

بزرگ: شادی ہوگئی۔ ہائے، ہائے، ایک چانس تو گیا۔ اب شومی رہ گئی ہے۔ کیوں نقیب؟

نقیب: مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

شومی: کمال صاحب، میں آپ سے شادی ضرور کرلوں گی پہلے آپ کی عمر تو بتائیے۔

بزرگ: تم جانتی ہو.... ہم اس دیش کے ابوالہول ہیں۔

(سب مل کر) ابوالہول! یعنی وہ مصر کا قدیم بت۔

بزرگ: ہاں، جانتے ہو وہ کیا کہتا ہے۔ (ایک آواز بنا کر) میں وقت ہوں' میں مر نہیں سکتا، میں لافانی ہوں۔ دیکھو مجھ سے موت بھی ڈرتی ہے-----

شومی: لیکن موت آتی کیوں ہے؟----

بزرگ: آتی کہاں ہے، آتی تھی--- دیکھونا اس وقت ۱۵۰ سال سے زیادہ ہے عمر ہماری۔ لیکن ہر طرف صرف زندگی ہی زندگی ہے۔ موت کا کہیں گمان نہیں---- کہو۔ کر سکتی ہو نا مجھ سے شادی؟

شومی: کیوں نہیں، آپ کی طرح میں بھی لافانی ہو جاؤں گی۔

پروفیسر: لیکن کمال صاحب آپ کی لافانیت کا راز کیا ہے----؟

بزرگ: بتاؤں۔ بتادوں؟۔ زندگی زندہ دلی کا نام ہے---- ارے بابا ہمارے دیش نے کچھ اتنی ترقی کرلی ہے کہ کیا بتاؤں----؟ پہلے کسی زمانے میں یہاں انسان زندگی سے محروم ہوتا تھا اور آج وہ موت سے محروم ہو گیا ہے اب دیکھو میں تو بھول ہی گیا ہوں کہ مجھے مرنا بھی ہے لیکن (یہ مصرعہ پڑھتا ہے۔)
منزل کہیں نہیں ہے، سفر ایک راز ہے۔

پروفیسر: کمال صاحب۔ سفر سے ہٹ آئیے۔ آپ شاعری میں گئے تو پھر مشکل سے ہاتھ آتے ہیں۔

بزرگ: اچھا تو آ گئے ۔ بولو کیا بولنا ہے ۔

پروفیسر: کمال صاحب ۔ ہم لوگ ہمارے انقلاب عظیم کا صد سالہ جشن منانے کا پروگرام بنا رہے ہیں ۔ لیکن یہ صرف آپ کی رہبری اور سرپرستی میں ہو سکتا ہے ۔

سب مل کر: ہاں، بالکل ---- کمال صاحب ۔ زندہ باد ۔ کمال صاحب زندہ باد ۔

نقیب: آپ کس قدر خوش قسمت ہیں کمال صاحب، آپ نے اپنی آنکھوں سے وہ انقلاب دیکھا ہے ۔

بزرگ: ایک نہیں ۔ کئی انقلاب دیکھے ہیں ان آنکھوں نے ۔ جس انقلاب کا تم جشن منانے جا رہے ہو وہی ایک سچا انقلاب تھا ورنہ ۔ ہم نے اور لاکھوں انقلاب دیکھے ہیں --- کیسے، کیسے؟ آہ ۔ سرخ انگاروں جیسے (اسٹیج پر ہلکی سرخ روشنی پھیل جاتی ہے) ۔

گھمسان کے رن --- ہر طرف آہ و بکا ۔ چیخ و پکار ------ وہ سب انسان ہی ہوتے تھے، بچو! نوجوانو! --- وہ سب انسان ہی ہوتے تھے ۔ پھر وہ سب مر جاتے تھے ۔ ہاں مر جاتے تھے (زور سے ہنستا ہے) اور ۔ اور انقلاب آ جاتا ۔

(اسٹیج پر پھر مدھم سی معمولی روشنی آ جاتی ہے ۔ بزرگ ہر ایک کو کچھ بے معنی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں)

جانتے ہو انقلاب کس طرح آتے تھے ۔ اف وہ سارے منظر میری نظر

میں ہیں ۔(کچھ بے چینی سے آسمان کی طرف دیکھتے ہیں ۔ پھر سب کی طرف --- ماحول میں ہلکا سا تناؤ پیدا ہو رہا ہے بلند آواز میں) انقلاب آتے تھے ۔ (پھر دھیمی آواز میں) ساری دنیا میں ۔ ہر ملک میں ۔ اور کس طرح --! (آواز غضبناک ہو جاتی ہے) انسانوں کی چیخیں آسمانوں میں گونج جاتی تھیں --- ساری دھرتی دہل جاتی تھی ۔ (لہجہ یکلخت مدھم کر کے) اور رات!! تاریک ۔ سرد بے رحم اور خوں ریز --- ہر سمت ایک سناٹا جیسے آسمان ہر سمت سے آنے والے ایک زلزلے کا منتظر ہو ۔ پھر اچانک دھماکے ۔ شور ۔ سمندروں کا تلاطم ہر طرف طوفانی جھکڑ ۔ پھر کالی اندھیری کانپتی رات کا سارا ستر نوچ لیا جاتا ۔ اور رات ننگی ہو جاتی ۔ اور ----- اور پھر صبح ہو جاتی --- صبح انقلاب! پھر ہر طرف ایک شور، چیخ و پکار، انقلاب آگیا ۔ انسان آزاد ہو گیا ۔ اف پھر انسان نئی زندگی جینے لگتا ۔

سیما: (سہمے لہجے میں) نئی زندگی!

بزرگ: (کچھ دھیمی اور گہری آواز میں) ہاں، نئی زندگی ---- اور پھر انسان ننگی رات کے ساتھ ننگا رہتا ۔ بھوکے دن کے ساتھ بھوکا رہتا ۔ بوڑھا خون اگلتا ہوتا ۔ بچہ بے موت مر جاتا ۔ اور نوجوان زندگی کو سہہ لیتا ۔ انسان جی لیتا ---

سیما: یہ کیسی باتیں ہیں ؟ ۔

نقیب: بہت ہی دلچسپ ۔ معنی خیز ۔

شوبی: اف وہ کس قدر رومانٹک زمانہ تھا --- کمال صاحب ۔ اب وہ

زمانے کہاں گئے ؟)

بزرگ: مجھے دیکھو۔ وہ سارے زمانے مجھ میں سمائے ہوئے ہیں۔ مجھ میں دفن ہیں۔ میں ان ہی زمانوں کا ایک لافانی مدفن ہوں۔۔۔۔۔ اس مدفن کا کتبہ ہوں۔۔۔۔۔ پڑھ لو۔۔۔۔ (پروفیسر سے) پروفیسر صاحب، یہ سارے نوجوان کتنے خوبرو، کتنے پیارے اور سجیلے ہیں۔۔۔ میری نظروں کے لئے یہ انسان کی بالکل تازہ فصل ہے۔۔۔ تازہ اور رسیلی۔ (ہنستا ہے)

پروفیسر: یہ سب آنے والی بہاروں کے پیغام بر ہیں۔

شومی: پروفیسر صاحب آپ بھی ہماری ہی طرح کبھی جوان تھے، ہونہار تھے۔

بزرگ: پروفیسر ہی کیوں؟۔ میں بھی تو بڑا ہی سجیلا نوجوان تھا۔ بالکل اتنا ہی سجیلا نوجوان جتنا کہ آج سجیلا بوڑھا لگتا ہوں۔ آج بھی میں ایک بڑے بھاری پرانے پیڑ پر ٹکا ہوا تازہ بہ تازہ پھول لگتا ہوں۔۔۔ ہے نا؟

سب۔ پھول!۔۔۔۔ (سب ہنستے ہیں بزرگ بھی ہنستے ہیں) اس اثنا میں سیما اندر سے ایک ٹرے میں شربت لاتی ہے اور سب کو پیش کرتی ہے۔

پروفیسر: واہ۔ آج ہم سب کمال صاحب کا جام صحت پئیں گے۔۔ (CHEERS گلاس میں جو مشروب ہے بہت ہی سرخ اور خوشنما ہے۔ سب اپنا اپنا گلاس اٹھاتے ہیں۔ بزرگ جیسے بڑی شدت سے شربت کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ ایک دو گھونٹ پی کر ایک سکون کا سانس لیتے ہیں)۔ لگتا ہے نسیم سحری جاں گزیں ہو گئی ہے۔

سوہن: یہ کیسی رسیلی باتیں کرتے ہیں آپ ۔ ہم کو ایسی باتیں کرنا سکھائیے نا؟ (بزرگ اور پروفیسر دونوں زور سے ہنس دیتے ہیں)

بزرگ: نسیم سحری کیا ہوتی ہے، تم کو اس وقت معلوم ہوتا جب تم سیما سے ایک طویل عشق کرتے اور رات بھر اس کا انتظار کرتے ۔ تم نے تو شادی کرلی ۔ (بزرگ اور پروفیسر ہنستے ہیں)

نقیب: (پروفیسر سے) پروفیسر صاحب، کیوں نہ ہم ہمارے ڈرامے کا کمال صاحب کو ہیرو بنا دیں ۔

پروفیسر: یقیناً ۔ ان کے سوائے بھلا ہیرو اور کون ہو سکتا ہے ۔ یہ تو گذشتہ ڈیڑھ صدی میں رونما ہونے والے سارے انقلابات کی ایک مقدس کتاب ہیں ۔

بزرگ: نوجوانو! میں تمہارا ہیرو نہیں ہو سکتا --- میں --- (اپنے آپ پر نظر ڈال کر) ---- میں -- میں ایک تاریخ ہوں ۔ میں ایک بہت ہی قدیم عمارت ہوں جس کے اندر تم کو آثار قدیمہ کے ساتھ ساتھ انسان کی سڑی گلی تہذیب کے کھنڈرات پر چھائے ہوئے مکڑی کے جالے نظر آئیں گے ۔

نقیب: کمال صاحب ۔ معاف فرمائیں ۔ اب وہ ساری باتیں بھول جائیے ۔ آج کی نئی زندگی کی جگمگاتی نئی تعمیر دیکھئے ---- آج کی سبک رو زندگی تازہ و شاداب ہواؤں کے دوش پر منزل تک پہنچ جاتی ہے اور پھر اپنے پر سکون مسکن کو لوٹ آتی ہے ---- ہنستی کھلکھلاتی ہے اور ہر دکھ کا گلا گھونٹ دیتی ہے ۔

شومی: افوہ! تم چپ رہو نا نقیب ---- کمال صاحب کی باتیں کتنے ہی سمندروں کی گہرائیاں لی ہوئی ہیں، مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان کی پراثر باتیں مجھے پتہ نہیں کس تہذیب کے شاندار کھنڈرات میں لے جارہی ہیں ---- جہاں کوئی زندگی مجھے بلا رہی ہے - میرا جی بھر آرہا ہے ---- چاہتی ہوں رو دوں ---- دیکھو، دیکھو نا (کچھ خوش ہونے کے انداز سے) مجھے، مجھے رونا آگیا ---- (رو دیتی ہے) مجھے رونا آگیا۔

پروفیسر: (نقیب سے) نقیب تم نے شومی کا دل دکھا دیا۔

نقیب: وہ یہی چاہتی تھی۔

بزرگ: میں سب سمجھتا ہوں - آؤ شومی میرے پاس آؤ - (شومی بزرگ کے قریب جاتی ہے - (اس کو اپنے قریب کرتے ہوئے) پہلے ہم سب مل کر ایک ساتھ بہت زور سے ہنسیں گے ---- ہنسی آج کی زندگی کا سچا نعرہ ہے آؤ ہم سب ہنسیں گے (سب مل کر دلچسپ قہقہہ لگاتے ہیں) لاؤ - اب ہم سب ایک ایک جام صحت نوش کریں۔

(سب پھر اپنا اپنا گلاس ٹکراتے ہیں - اور شربت کے گھونٹ لیتے ہیں - بزرگ پھر اپنا گلاس ہاتھوں میں لیے ہر ایک کے قریب جاتا ہے۔ پھر ہر ایک کو اپنے ہاتھوں سے چھوتے ہوئے) پروفیسر صاحب! ---- نقیب! ---- سوہن! ---- سیما! ------ شومی! ---- مجھے ایک اور بات کہنے دو - جی چاہتا ہے کہ تم سب سے آج جی کھول کر بات کروں ----

پروفیسر: ضرور ضرور کیجئے ---- آپ پر تو یہ ساری صدی ناز کرتی ہے ----

بزرگ: ہاں۔ پوری ایک صدی خون بن کر میری رگوں میں تحلیل ہوگئی ہے۔ میرے اندر تیز تیز دوڑتی رہتی ہے---- (اپنا گلاس اٹھا کر سب کو بتاتا ہے---) اس جام کی جگمگاتی سرخی میں دراصل آج کی ساری خوشیوں کا نچوڑا ہوا رس ہے---- (بالکل ایک ہی لہجے میں بات کر رہا ہے--- لہجے میں زیادہ اونچ نیچ نہیں---) لیکن کبھی اس جام میں اتنا ہی سرخ، انسان ہی کا خون ہوتا تھا۔ جس کو انسان جھوم کر پی جاتا تھا۔

شومی: (ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ) خون!! (چہرے پر ہاتھ رکھ لیتی ہے)

روشنی مدھم ہو جاتی ہے

بزرگ: (اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر) ہاں خون!--- (ہنستا ہے) بالکل اس رنگ جیسے دکھ ہوتے تھے--- (سرخ آنکھیں پھیل جاتی ہیں) انگاروں جیسے غم ہوتے تھے--- صبح سے لیکر شام تک سورج بھی خون برساتا تھا۔ اور پھر رات کی ٹھنڈکوں میں وہ خون جم جاتا تھا--- ٹھنڈا خون!

(سب بڑے ہی غور سے بزرگ کو دیکھ رہے ہیں--- بزرگ اپنا گلاس ہاتھ میں گھماتے ہوئے ہر ایک کے پاس سے گزرتا ہے اور پھر اچانک چیخ پڑتا ہے) پھر وہ انسان یکلخت چیخ پڑتا---- مار ڈالو--- خون کردو---- جان لے لو--- ہر طرف--- ہر رخ پر زہریلے سانپ۔ سانپ ہی سانپ۔ (بزرگ ڈر کر ایک سمت بھاگنے کی کوشش کرتا ہے)۔ دیکھو وہ سانپ---! (بزرگ ایک کونے میں کھڑے ہوئے اس طرح ڈر رہا ہے جیسے سامنے کہیں ایک سانپ کو دیکھ رہا ہے)۔ وہ ہے--- وہ وقت کا سانپ بل کھاتا ہوا

زہریلا سانپ (زور سے چیخ پڑتا ہے) ہٹ جاو۔ بھاگ جاو--- یہ سب کو ڈس لے گا۔ ہٹ جاو (کوئی نہیں ہٹتا جیسے سب ساکت ہو گئے ہیں---- لمحہ بھر بعد جیسے کچھ ہوش سا آگیا ہے--- زور سے ہنسنے لگتا ہے--- قہقہہ لگاتا ہے) چلو ہم سب ہنسیں۔ ہنسی زندگی کا نعرہ ہے---- ہنسو-- سب پھر ہنسنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن سب پر رقت طاری ہے۔ ان سب کے قہقہے بڑے ہی بے ڈھنگے لگتے ہیں--- ان بے ڈھنگے قہقہوں کے ساتھ پردہ گرتا ہے)

تیسرا ایکٹ

(ایک چٹیل میدان ہے۔ یہاں وہاں گھاس اگی ہوئی ہے جو سوکھ گئی ہے-- گھاس کے سنہرے رنگ سے پتہ چلتا ہے کہ شام کا سورج چمک رہا ہے --- سوکھی گھاس پر یا پھر کھلی جگہ پر کچھ نوجوان لڑکے لڑکیاں ادھر ادھر کچھ بے پرواہی سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ کچھ لیٹے ہوئے ہیں۔ کوئی بے ڈھنگے انداز میں پھل کھا رہا ہے--- کوئی ٹافی کھا رہا ہے--- وہ سب کچھ عجیب عجیب لباسوں میں ملبوس ہیں۔ ان سب میں نقیب، سوہن، شومی، اور سیما بھی شامل ہیں۔ ان لڑکوں لڑکیوں کے گروہ سے اچانک ایک خوبرو نوجوان کھڑا ہوتا ہے--- اسے دیکھ کر سب زور زور سے تالیاں بجاتے ہیں اور شور مچاتے ہیں--- کھڑے ہونے والے لڑکے کا نام عزیز ہے۔ اس کے بال بہت بڑھے ہوئے ہیں وہ بہت صحت مند ہے--- چوڑے شانے، دست و بازو بہت مضبوط ہیں --- کلائی پر چمڑے کی چوڑی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ (دوسری کلائی پر نکل کا ایک کڑا ہے۔ اچانک وہ ہاتھ اٹھا کر سب کو مخاطب کرنے کی کوشش کرتا ہے

وہاں ایک چھوٹی سی چٹان ہے جس پر وہ کھڑا ہو جاتا ہے)

عزیز دوستو سنو --- میرے دوستو، میرے یارو!

(سب لڑکے لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور ایک بار زور کی تالیاں پیٹتے ہیں۔ عزیز مسکراتے ہوئے پھر اپنا ہاتھ اٹھا کر ان سب کو چپ رہنے کے لیے کہتا ہے) میرے یارو۔ سنو۔ آج کی جواں نسل ہم ہیں۔ ہماری قوم کی سب سے تازہ فصل ہم ہیں۔ ہمارے دست و پا اور شانے مضبوط اور جوان ہیں۔

(ایک لڑکی کی آواز) تو کیا ہوا (سب ہنستے ہیں)

عزیز: میں بتاؤں گا۔ صدیوں پرانی تہذیب کا جو بوجھ ہمارے شانوں پر ڈالا گیا ہے وہ بوجھ ہم اتار کر دور پھینک دیں گے اور دنیا کے سارے انسانوں میں ایک نئی، اور سچی آزادی کی روح پھونک دیں گے --- آو میرے ساتھ آو ---- ہم ساری دنیا پر قبضہ کر لیں گے ---- ہر قوم ہماری ہے ---- ہر ملک ہمارا ہے -----

دوسری آواز: تو کیا ہوا؟

(سب ہنستے ہیں)

عزیز: - میں بتاتا ہوں --- سنو۔ (کچھ اونچی آواز میں) ہر تاریخ، ہر مذہب اور ہر فلسفہ ہم کو بتاتا ہے کہ ساری دنیا کے انسان ایک ہیں۔ تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ یہ الگ الگ ملک کیوں؟ یہ الگ الگ قومیں کیوں؟ - یہ مختلف نظام حیات کیوں، یہ مختلف تہذیبیں کیوں اور سب سے بڑھ کر یہ سرحدیں

کیوں ؟ ۔ ہم ان سرحدوں کو ڈھادیں گے اور ایک ملک اور ایک قوم بن جائیں گے ۔ پھر ساری دھرتی کو ہم ایک Play Ground بنادیں گے ۔

(سب زور زور کی تالیاں بجاتے ہیں اور چیختے ہیں) واہ، واہ واہ، واہ ۔

سب مل کر: (عزیز سے) اب آجاو ۔ ادھر بیٹھ جاو ۔ لیڈر بننے کی کوشش مت کرو ۔ بیٹھو ۔ بیٹھو لیڈر مت بنو ۔ (عزیز پھر کچھ بولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن سب ملکر چیخنے لگتے ہیں) ہم کو لیڈر نہیں چاہئے ۔ ہم کو لیڈر نہیں چاہیے ۔

ایک آواز: بیٹھو بھائی ۔ ہم کو ایک Leader less سوسائٹی چاہیے ۔

(عزیز ہار کر بیٹھ جاتا ہے) ۔

سوہن : (اٹھ کھڑا ہوتا ہے ۔ اس وقت اس کی ہیئت بھی ایک بے فکرے نوجوان کی سی ہے ۔ ایک دم چیخ پڑتا ہے) سوسائٹی ؟ سوسائٹی کسے چاہئے ؟ (یہ کہتے ہوئے ایک چٹان پر کھڑا ہو جاتا ہے) ۔

(سوہن کی بات پر سیما کھڑی ہو جاتی ہے ۔ وہ ایک بہت ہی قدیم قسم کا لباس پہنی ہوئی ہے ----- اس کا لباس اس کے بدن کو شانوں سے لے کر پیروں تک ڈھانکے ہوئے ہے ۔ اس کی باہنیں بھی اس کے لباس میں چھپی ہوئی ہیں اس کے بال خوش اسلوبی سے جمائے ہوئے ہیں ۔ وہ اچانک بول پڑتی ہے) ۔

سیما: شاباش سوہن، شاباش ۔ تم سچ کہتے ہو --- سوسائٹی کسے چاہئے ؟ ----- کسی کو نہیں چاہیے ۔

سوہن: ہاں ہم کو سوسائٹی نہیں چاہیے ۔ سوسائٹی ایک چودیواری ہوتی

ہے ۔ہم کوئی دیوار برداشت نہیں کر سکتے ۔ہم ہر در و دیوار کو ڈھادیں گے ۔

(کئی آوازیں) واہ، واہ، کیا بات کہی ہے ۔ واہ، واہ ۔ (تالیاں)

سوہن = (زیادہ جوش میں آکر) ۔

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے

ہمسایہ کوئی نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

سب شور مچاتے ہیں، واہ، واہ، کیا کہنے ہیں ۔ بیٹھو بھائی، بیٹھو--- شاعر بننے کی کوشش مت کرو ۔ بیٹھو شاعر ۔ہم کو شاعری نہیں چاہیے ۔ (سب پھر شور مچاتے ہیں سوہن مجبوراً نیچے بیٹھ جاتا ہے ۔ اچانک شومی غصے میں کھڑی ہوجاتی ہے، اور چٹان پر کھڑی ہوجاتی ہے----)

شومی = (غصے میں بہت تیز تیز بولتی ہے) یہ سب کیا شور ہے، کیا ہنگامہ ہے؟ یہ ساری دنیا ہمارا گھر ہے ۔ اس گھر میں ہم سب مل کر رہیں گے ----) چھوٹے، بڑے، عورت، مرد، ساری دنیا کے لوگ صرف ایک خاندان ہیں ۔ ہم سب اس خاندان کی زندگی کو خوش حال اور کامیاب بنائیں گے ۔

ایک آواز = ارے، یہ، تو کسی گھرانے کی بڑی ساس لگتی ہے ------ مدران لا ------

دوسری آواز = Yes- International Moth er-in-law

(نعرہ لگانے کے انداز میں)

تیسری آواز = " Yes- International Mother-in-law "

سب مل کر ------ "زندہ باد" ۔

ایک آواز ۔ ہم سب کا خاندان!

سب ۔ زندہ باد ۔

ایک آواز --- خاندانی منصوبہ بندی ۔

سب ---- زندہ باد ۔

ایک لڑکی کی آواز ---- آئیے مدران لا ۔ ادھر بیٹھیے ۔

سب گانے لگتے ہیں ۔ Long live - International

Mother-in-law (دہراتے بھی ہیں)

(شومی غصے میں ہے لیکن کچھ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے سب کے ساتھ بیٹھ جاتی ہے ----- ایک دوسرا نوجوان جس کا نام شیتل ہے، کھڑا ہو جاتا ہے اور چٹان پر چڑھ کر بہت ہی تیز لہجے میں بنار کے بولنے لگتا ہے ۔ کوئی، بیچ میں آواز لگائے بھی تو رکتا نہیں ۔ وہ دبلا پتلا دھان پان قسم کا نوجوان ہے ۔ اس کا چہرہ تنا ہوا ہے)

شیتل: (تقریر کرنے کے انداز میں) یہ کیا بد تمیزی ہے ۔ یہ کیا دیوانگی ہے ؟ ۔ نہ عزت، نہ شرافت، نہ دولت --- کتنا بڑا خطرہ ہے، اس دھرتی اور آکاش کو --- سقراط، کالیداس، غالب اور ٹیگور نے کہا تھا کہ فلسفۂ حیات کے کچھ معنی ہوں یا نہ ہوں لیکن الیکشن یعنی ووٹ بازی ہونا چاہیے ۔ جس کا مطلب ہوا کہ اس جہان رنگ و بو کے ساتھ، یہ ایک سنہرہ راز ہے اور وہ کائناتی نظام، جو انسان کو اس کے عروج تک پہنچاتا ہے ۔ کہیں قدم نہیں جما سکتا --- آہ یہ کتنا عظیم خیال ہے کہ انسان عظیم ہوتے ہیں، اور ارواحِ عالم

ہمارے اطراف گھومتی ہیں اور ہم الیکشن لڑتے ہیں --- میں بھی انسان ہونے کے ناتے الیکشن میں کھڑا ہوا ہوں صرف اس لئے کہ یہ ساری دنیا ہماری ہے ---- ہماری ہے ----- ہماری ہے ---- اس لئے مجھے ووٹ دیجئے ---- میرا نشان ہے خالی ڈبہ ---- (ہاتھوں سے بتاتا ہے)

(سب زور زور سے چیختے ہیں، واہ، واہ، کیسی پیاری تقریر ہے ---)

(ایک لڑکی کی آواز) آپ الیکشن جیت گئے تو ہم سب لڑکیاں آپ کے ساتھ شادی کرلیں گی

سب ملکر: (نعرہ) خالی ڈبہ ---- زندہ باد ---- (ایک دو تین بار یہ نعرہ لگاتے ہیں)

ایک آواز: ارے یہ تو مجنوں ہے، مجنوں ۔(سب گاتے ہیں)

خالی ڈبہ بسا میرے من میں
خالی ڈبہ پکاروں میں بن میں

دوسری آواز: بیٹھو مجنوں، بیٹھو۔ ہم کو الیکشن نہیں چاہئے ----- بیٹھو ---

(شیتل کچھ محجوب ہو کر بیٹھ جاتا ہے ۔ اچانک نقیب کھڑا ہو جاتا ہے ۔ اس کے چہرے پر بڑی سنجیدگی ہے ۔ اس کا لباس بھی صاف ستھرا ہے ۔ وہ ایک سفید کرتا پہنا ہوا ہے گلے تک بٹن لگے ہوئے ہیں ۔ پاجامہ بھی سفید ہے شانوں پر شال جھول رہی ہے ۔ بڑی سنجیدگی سے اس چٹان پر کھڑا ہو جاتا ہے، اور سب کو مخاطب کرتا ہے ---)

نقیب: میرے دوستو۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لئے ہم کچھ سنجیدہ ہو جائیں اور اپنی ساری زندگی پر غور کریں۔

سب کی آوزیں: اچھا، اچھا بولئے۔ ہم سب سنجیدہ ہیں۔

نقیب: شکریہ --- تو ساتھیو۔ کوئی کہتا ہے ہم کو لیڈر نہیں چاہیے۔ کوئی کہتا ہے سوسائٹی نہیں چاہیے۔ در نہیں چاہیے، دیوار نہیں چاہیے۔ شاعری نہیں چاہیے۔ لیکن بات یہ ہے کہ کچھ تو ہمیں چاہیے؟۔

ایک لڑکی کی آواز: واہ، کیا پیارا سوال ہے -- لیکن ہم کو ڈر ہے کہ کہیں تم لیڈر نہ بن جاو

سب مل کر: ہم کو لیڈر نہیں چاہیے۔ لیڈر نہیں چاہیے۔

نقیب: میں لیڈر نہیں ہوں --- میں صرف اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں، میرے دوستو، ہم کو کچھ تو چاہیے --- ہے نا؟

سب: ہاں، ہاں، کچھ تو چاہیے۔

نقیب: ہاں تو سوچیے اور بتائیے کہ کیا چاہیے؟

سب: کیا چاہیے --- ؟

نقیب: کوئی بتا سکتا ہے۔؟

سب: نہیں --- تم ہی بتاو

نقیب: دنیا میں کئی مذاہب آئے، کئی نظام آئے۔ لیکن انسان پھر بھی ایسا بن گیا جیسے آج ہم ہیں۔

ایک آواز: کیا ہم انسان ہیں -- ؟

سب: ہاں -- کیا ہم سب انسان ہیں--- ؟

نقیب: ہاں - ہم سب انسان ہیں -

ایک آواز - کیا ثبوت ؟

نقیب: ثبوت! --- ثبوت - (کچھ بوکھلا جاتا ہے) ثبوت یہ ہے --

ایک آواز: ثبوت یہ ہے کہ کوئی ثبوت نہیں (سب زور زور سے ہنستے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں)

نقیب: اچھا - ٹھہرئیے (اپنے پاکٹ کی تلاش کرتا ہے)

ایک آواز: پاکٹ میں ثبوت ؟

دوسری آواز: ارے، تم کو تو پاکٹ ہی نہیں تو ثبوت کہاں ؟

(سب زور زور سے ہنستے ہیں)

نقیب: اچھا ایک بات سنئے

ایک آواز: پہلے یہ بتاؤ کہ ہم کو انسان کیوں بننا چاہیے - ہم جو ہیں سو ہیں چاہو تو انسان سمجھو یا پھر کچھ اور

کئی آوازیں: واہ، واہ، کیا بات کہی ہے - واہ، واہ، -

(سب ایک تال پر تھوڑی دیر تالیاں بجاتے ہیں) واہ، واہ (تالی) واہ، واہ (تالی) واہ، واہ (تالی)----

نقیب: اچھا، اچھا دوستو ایک بات سنئے -

(سب چپ چاپ ہو جاتے ہیں)

ایک آواز: ارے یہ تو بہت بڑے جگر کا آدمی لگتا ہے -

نقیب: دیکھو دوستو۔ ہماری زندگی کا کوئی تو مقصد ہوگا۔؟

ایک نوجوان: (کھڑا ہو کر نقیب کو چڑانے کے انداز میں) مقصد؟؟۔ ہاہا ہا (ہنستا ہے) مقصد یہ کیا بلا ہے۔

دوسرے سب: (زور سے ہنستے ہیں پھر ایک لے کے ساتھ) مقصد؟ یہ کیا بلا ہے مقصد؟ یہ کیا بلا ہے؟ مقصد مقصد۔

(نقیب شومی کی طرف بے بسی سے دیکھتا ہے۔ سب ہنس رہے ہیں۔ پھر سب ایک ساتھ، ایک لے میں)

سب: بیٹھو یارو ---- بیٹھو --- بیٹھو یارو --- بیٹھو ---- بیٹھو یارو ---- بیٹھو ---- بیٹھو یارو ---- بیٹھو-----

(جب سب یہ کہتے رہتے ہیں ایک لڑکی کی بھیانک چیخ سنائی دیتی ہے وہ چیخ ماحول میں ایک وحشت سی پیدا کر دیتی ہے۔ شومی چیختی ہوئی اسٹیج کے پیچھے بھاگ جاتی ہے۔ اس چیخ کے بعد گھڑی بھر ایک سناٹا چھا جاتا ہے۔

نقیب: شومی (چیختے ہوئے اس کے پیچھے بھاگتا ہے کچھ دیر سب اس کی طرف حیرت سے دیکھتے ہیں تب ہر طرف خاموشی چھا جاتی ہے ---- پھر اچانک سب کے سب ہنسنے لگتے ہیں۔ زور زور سے قہقہے لگاتے ہیں)

ایک نوجوان: (کھڑا ہو کر) ہے، ہے،

Latest model of Laila - Majnu

دوسری آواز: ہنیں، ہیر رانجھا۔

تیسری آواز: ہائے رومیو جولیٹ

چوتھی آواز: ہائے شیریں فرہاد۔

(پھر سب زور زور سے ہنسنے لگتے ہیں۔ نقیب شومی کو لیکر پھر اسٹیج پر آتا ہے جب کہ شومی اسٹیج پر آنے سے انکار کر رہی ہے)

شومی: (روتے ہوئے) ہنیں، ہنیں، میں ہنیں آوں گی۔ ہنیں آوں گی، ہنیں

(اسے روتا دیکھ کر سب چپ ہو جاتے ہیں، شومی اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر " ہنیں، ہنیں "، یہ سب جھوٹ ہے۔ دھوکہ ہے، وحشت ہے --- وحشت ہے --- مجھے جانے دو (پھر وہ واپس بھاگنے کی کوشش کرتی ہے)

نقیب: (اسے روکتے ہوئے) ہنیں شومی --- ان سب کے سامنے آو، ڈٹ کر کھڑی رہو ---- اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے، وہ سب کچھ ان سب سے کہہ ڈالو --- آو یہاں کھڑی رہو اور جو جی میں آئے کہو -----

شومی: (اسی طرح روہانسی انداز میں) ہنیں ---- ہم سب فریب ہیں ---- دھوکہ ہیں (کچھ وحشت ناک ہو جاتی ہے ----- آنکھیں پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتی ہے) ہم سب ایک اندھیرے غار میں محفوظ ہیں --- ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں --- ہم سب غلط ہیں ---- غلط ہیں۔ میں جا رہی ہوں ---- (وہ پھر بھاگنے کی کوشش کرتی ہے تو نقیب اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے)

نقیب: ٹھہرو ---- بھاگو مت۔

شومی: اچھا۔ اچھا --- (اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے، سب سے

مخاطب ہوتی ہے) میں آج جو کچھ کہہ رہی ہوں ۔ وہ میں نہیں کہہ رہی ہوں ۔ میرے اندر ایک آواز --- بڑی ہی تیز آواز تڑپ رہی ہے ۔ بجلی کی طرح --- وہ آواز باہر نکل آنے کو بیتاب ہے --- بجلی کڑکنے والی ہے --- چلو ----- چلو ------ ہم سب چلیں ، اب ان بستیوں کی طرف ، جہاں انسان کو انسان کی ضرورت ہے ۔اس کے غم کی ضرورت ہے ، اس کے دکھ کی ضرورت ہے ۔جہاں محنت ہے ، مشقت ہے اور جدو جہد ہے جینے کی ۔ یہی سب کچھ زندگی کو زندگی بناتے ہیں------- چلو------- چلو میرے ساتھ ۔

ایک نوجوان : (اپنی مٹھی بند کر کے ایک ہاتھ اوپر اٹھا کر چیخ پڑتا ہے)

ہاں ۔ چلو ۔ ہم سب چلیں---- زندگی کی طرف ۔ چلو ۔

سب مل کر : (گانے کے انداز میں

چلو ہم چلیں ۔ زندگی کی طرف

چلو ہم چلیں ۔ زندگی کی طرف

چلو ہم چلیں ۔ زندگی کی طرف

(نہ کوئی آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے ۔ یہی گانا گاتے ہوئے سب نیچے بیٹھ جاتے ہیں اور ہنسنے لگ جاتے ہیں)

شومی : (ان سب کی ہنسی سے گھبرا کر اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بیحد وحشت زدہ انداز میں چیخنے لگتی ہے) نہیں ۔ نہیں---- نہیں----- نہیں درندو---- وحشیو میں جارہی ہوں ۔ میں جارہی ہوں--- (نقیب اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے ۔ شومی اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش

میں ہے ----- اسی کشمکش میں وہ تھک کر ہوش کھونے لگتی ہے ۔ نقیب اسے اپنے بازوؤں پر سہارا دیتا ہے ---- پس منظر سے شومی کی آواز گونجنے لگتی ہے ۔" میں جارہی ہوں ------ میں جارہی ہوں ----- وحشیو، درندو میں جارہی ہوں "۔ سب کے قہقہے اور تیز ہوجاتے ہیں ---- شومی کی آواز اور ان سب کے قہقہے تھوڑی دیر جاری رہتے ہیں ۔ روشنی پھیکی پڑتی جاتی ہے ۔ ہلکی سرخ روشنی اسٹیج پر پھیلتی ہے ۔ پھر دھندلکا سا چھانے لگتا ہے ۔ سب کے سب ہیولے سے نظر آتے ہیں ۔ نقیب زور سے چیخ پڑتا ہے)

نقیب: (آسمان کی طرف لاچارگی سے دیکھتے ہوئے) شومی ---- شومی --- شومی ۔

(سب یکلخت چپ ہوجاتے ہیں ------- گہری آواز میں) ------

چلو، ہم سب چلیں --- شومی کے پاس --- چلو چلو، ہم سب کو سکون چاہیے ۔ شانتی چاہیے ۔(اس کی آواز میں ٹھہراو سا آجاتا ہے) چلو، چلو ----(وہ سب کی طرف کچھ گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے ---- دو گھڑی سناٹا سا چھاجاتا ہے ۔ پھر یکلخت سب کے سب وحشت زدہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخ پڑتے ہیں ---- " ہنیں، ہنیں ۔ ہنیں ۔ ہنیں " اسی طرح چیختے ہوئے اسٹیج سے بھاگنے لگتے ہیں، پوری شدت سے چیخ پڑتے ہیں جیسے اپنے اندر ایک شدید کرب محسوس کر رہے ہیں ۔ ایک وحشت محسوس کر رہے ہیں ----- " ہندوستانی اور مغربی موسیقی کی ملی جلی زوردار جھنکار گونج اٹھتی ہے --- انسانی چیخوں کے ساتھ وحشیوں کی چنگھاڑ سنائی دیتی ہے ۔ایک تیز رنگ روشنی اسٹیج

پر پھیل جاتی ہے---- اور لمحہ بھر بعد اس روشنی پر اندھیرا دھیرے دھیرے غالب ہونے لگتا ہے ۔ موسیقی کی جھنکار شدید ہو جاتی ہے ۔ اسٹیج صرف ایک گھنا جنگل نظر آنے لگتا ہے--- ایسے میں نقیب کی ایک بہت ہی وحشت ناک چیخ سارے جنگل میں گونج جاتی ہے--- "شومی" یہ چیخ ایک دو بار صاف سنائی دینے کے بعد موسیقی اور حیوانوں کی چنگھاڑ میں ڈوبنے لگتی ہے---- ساتھ ہی پردہ گرتا ہے ۔)

نیا اجنتا

ایک ایکٹ کا ڈراما

افراد

پہلا سنگتراش
دوسرا سنگتراش
عورت

(اجنتا کا وہ غار جس میں ابھی کچھ ناتراشیدہ اور نیم تراشیدہ چٹانیں ہیں۔ اسٹیج پر پورے غار کا منظر پیش کرنا ضروری نہیں، غار کا ایک ایسا رخ پیش کیا جائے جس کے ایک پہلو میں ایک ستون نظر آتا ہے۔ جسے تراشتے تراشتے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس چٹان کے پیچھے غار کا اندرونی حصہ ہے، تاریک ہے۔ جو حصہ

نظر کے سامنے ہے وہ بھی زیادہ روشن نہیں ۔ رات کا وقت ہے ہوا کی سائیں سائیں سنائی دے رہی ہے ۔ تھوڑی تھوڑی دیر سے بادل گرجنے کی آواز آتی ہے اور بجلی کے چمکنے سے لمحہ بھر کے لیے غار زیادہ روشن ہو جاتا ہے ۔ پس منظر سے دھیمے سروں میں گاتی ہوئی ایک درد بھری آواز ابھر رہی ہے، جس کے ساتھ دھیمے دھیمے، ساز بھی بج رہا ہے --- (کوئی موزوں گیت) جب پردہ اٹھتا ہے تو ایک نوجوان سنگ تراش سیدھے سادے ہندوستانی لباس میں اس چٹان کے قریب کھڑا نظر آتا ہے جو چٹان کو بہت ہی کھوئے ہوئے انداز سے دیکھ رہا ہے ۔ جب بجلی کے کوندنے سے غار لمحہ بھر کے لیے چمک اٹھتا ہے اور بادل کی گرج سنائی دیتی ہے تو سنگ تراش کچھ اس طرح چونک جاتا ہے جیسے غار کے اندرونی تاریک حصے میں اس نے کسی کو دیکھ لیا ہو)

پہلا سنگ تراش: ۔ (اس طرف دیکھ کر کچھ گھبرائی آواز میں) کون ہے ؟ -- (کچھ سنبھل کر) کون ہو تم ؟ (کوئی جواب نہ پا کر) کون ہو تم ؟ جواب دو ۔ (آواز غار کی تاریکی میں گم ہو جاتی ہے ۔ سنگ تراش اپنے آپ سے) اتنی رات گئے اور یہاں بھلا کون ہو سکتا ہے ۔ لیکن یہ سایہ کس کا تھا! اس اندھیرے میں اجلی سی شکل کس کی تھی ۔ (پیچھے سے ایک عورت کی ہلکی سی ہنسی صاف سنائی دیتی ہے) یہ کون ہنس رہا ہے ۔ بستی سے دور اس اندھیرے غار میں ایک عورت کی ہنسی! (اس ہنسی کی جانب ایک اور قدم بڑھا کر بلند آواز میں) کون ہو تم ؟ جواب دو، میں انسان ہوں مجھ سے ڈرو نہیں ---- (ہنسی کے ساتھ گھنگروؤں کی جھنکار جیسے کوئی ہولے ہولے چل رہا ہے)

گھنگرؤں کی جھنکار! ان پرانے پتھروں میں گھنگرؤں کی جھنکار! ہونہہ، شاید میری طرح کوئی بھٹکی ہوئی ہستی ہو--- یا کوئی بہکی ہوئی رقاصہ--- (ہنستا ہے) ایک بہکی ہوئی رقاصہ! کس قدر دلکش تصور ہے میرا، کتنا حسین خیال ہے میرا، اس سکوت میں اتنا حسین خیال! یہ لمحہ کیسے نصیب ہوتا ہے!

(عورت کی ہنسی کچھ زیادہ واضح سنائی دیتی ہے، اس ہنسی کا رخ کر کے زیادہ بلند آواز میں) تم مجھ سے چھپنے کی کوشش نہ کرو میں تمہیں پہچان گیا ہوں تم اجنتا کی روح، اجنتا کی زندگی ہو۔ اجنتا کے امر انسان کی آزادی ہو۔ پہلے فنکار کی بے تاب حسرت ہو آرزو ہو، (کچھ جوش میں) تم آدم کی آزادی کا سندیش ہو--- آو، میرے سامنے آجاو۔ (کچھ اور آگے بڑھتے ہوئے) مجھے معلوم ہے تم کو میری تلاش ہے۔ تم میرا ہی انتظار کر رہی ہو۔

(عورت کی ہنسی ایک لطیف قہقہے میں بدل جاتی ہے، سنگ تراش کچھ اور بلند آواز میں) تم مجھ پر ہنس رہی ہو؟ تم میری نظر سے بچ نہیں سکتیں---

(گھنگروں کی آواز جیسے کوئی قریب آرہا ہے)

تم آرہی ہو--- مجھے یقین ہے تم آرہی ہو۔ آو میرے سامنے آو۔ (ایک ہلکی ہنسی کے ساتھ گھنگروں کی آواز رک جاتی ہے۔ سنگ تراش لمحہ بھر خاموش رہ کر۔ "ابھی ہنسی، ابھی جھنکار! یہاں کوئی نہیں ہے۔ شاید یہ میرا خیال ہنس رہا ہے۔ میرا خیال ناچ رہا ہے۔ اجنتا میں خیال ہنستے ہیں، خیال ناچتے ہیں---" (پھر وہی ہنسی)

"نہیں۔ میرا خیال نہیں۔ (چٹان کی طرف ہاتھ اٹھا کر) یہ پتھر مجھ پر

ہنس رہا ہے ۔ اس چٹان میں چھپا ہوا بت مجھ پر ہنس رہا ہے (چٹان کے قریب جا کر) میں تجھے تراشوں گا ۔ میں تیری ہنسی اور جھنکار کو زندگی بخشوں گا (چٹان کو پکڑ کر) میں تجھے مسکراہٹ دوں گا، مسکراہٹ جو زندگی کی سب سے حسین علامت ہے، میں تجھے ناچنا سکھاؤں گا ناچ جو زندگی کی سب سے زیادہ حسین شکل ہے ۔ میں تجھے تراشوں گا اے رقاصہ میں تجھے زندگی دوں گا، تو میری اپنی زندگی ہے امرتا ہے، میرا نروان ہے --- میں تجھے تراشوں گا ۔"

(چٹان سے لپٹ جاتا ہے ۔ عورت کا ایک طویل قہقہہ سنائی دیتا ہے ایسا قہقہہ جس میں طنز ہے، درد ہے قہقہے کو سن کر سنگ تراش حیرت سے یک لخت چٹان سے کچھ پرے ہٹ جاتا ہے ۔ قہقہہ ختم ہونے پر دو لمحوں تک سکوت طاری ہو جاتا ہے اور اس سکوت کے بعد عورت کی دھیمی دھیمی سسکیاں سنائی دیتی ہیں ۔ سنگ تراش جیسے اس عورت سے مخاطب ہے)

تم، تم رونے لگیں؟ تم ہنستے ہنستے رونے کیوں لگی ہو؟ آؤ میرے پاس آؤ، مجھے بتاؤ تم کون ہو ۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں ۔ اس تاریکی سے نکل آؤ ۔ دیکھو، (کچھ آگے بڑھ کر بلند آواز میں) دیکھو تمہاری سسکیوں سے مجھے وحشت ہو رہی ہے ۔ اگر تم آؤ گی تو میں چیخ چیخ کر سارے اجنتا واسیوں کو جگا دوں گا ۔ (سسکیاں تیز ہو جاتی ہیں سنگ تراش چٹان سے لپٹ کر) آؤ نکل آؤ ۔

(پس منظر سے پہلے دھیمے دھیمے پھر بلند قہقہے سنائی دیتے ہیں ۔ اور تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف قہقہے گونجنے لگتے ہیں -- سنگ تراش بہت ہراساں ہو جاتا ہے ۔ کبھی ادھر کبھی ادھر اپنی پریشان نظروں سے دیکھتا ہے ۔

سسکیاں برابر جاری رہتی ہیں ۔ سنگ تراش اس چٹان سے مخاطب ہو کر) اے رونے والے مجھے ان قہقہوں سے وحشت ہو رہی ہے ۔ تو نہ رو، مجھے تیری ہنسی چاہیئے ۔ دیکھ یہ قہقہے مجھے پاگل بنا رہے ہیں ۔ دیکھ --- (نڈھال ہو کر چٹان پر سر رکھ کر چٹان سے لپٹ جاتا ہے ۔ عورت کی ایک گہری سسکی سنائی دیتی ہے اور پھر قہقہے زیادہ بلند ہو جاتے ہیں ۔ ان ہی قہقہوں کے ساتھ قہقہہ لگاتے ہوئے ایک دوسرا سنگ تراش اپنے ہاتھ میں ہتھوڑا اور چھینی لیے داخل ہوتا ہے، دوسرا سنگ تراش بوڑھا ہے ۔ جس کی لمبی ڈاڑھی اور سر کے لمبے بال سفید ہو چکے ہیں ۔ قدیم ہندوستانی لباس پہنے ہوئے ہے جو کافی ڈھیلا ڈھالا ہے ۔ بڈھا کچھ جھکا جھکا چلتا ہے ۔ اسٹیج پر آکر ۔ نوجوان سنگ تراش کو دیکھ کر یک لخت ہنسی روک دیتا ہے، اس کی ہنسی کے ساتھ دوسرے قہقہے بند ہو جاتے ہیں)

دوسرا سنگ تراش: ۔(کچھ حیرت سے) کون ہو تم ؟

پہلا سنگ تراش: ۔(چونک کر بڈھے کو دیکھتے ہوئے، کچھ رکے رکے لہجے میں) ت ۔ ت ۔ تم! کیا تم ہی ہو جو ابھی ۔ (چٹان کی طرف اشارہ کر کے) کیا، تم ہی مجھ پر ہنس رہے تھے ؟

دوسرا سنگ تراش: ۔ میں پوچھ رہا ہوں تم کون ہو؟ اور اتنی رات گئے اس سناٹے میں تمہیں یہاں آنے کی ہمت کیسے ہوئی ؟

پہلا سنگ تراش: ۔ میں! میں تمہیں سب بتاؤں گا، لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم ہی مجھ پر ہنس رہے تھے ؟

دوسرا سنگ تراش: ۔ہاں، میں ہنس رہا تھا ۔ اور زور زور سے ہنس رہا تھا

کیوں تمہیں میری ہنسی اچھی نہیں لگی؟

پہلا سنگ تراش :۔ (ابھی کافی پریشان ہے) لیکن... لیکن وہ تو کوئی عورت تھی۔کوئی رقاصہ تھی۔

دوسرا سنگ تراش:۔ وہ میں جانتا ہوں۔

پہلا سنگ تراش:۔ (بے حد تعجب سے) تم! تم اسے جانتے ہو؟ بتاؤ وہ کہاں ہے؟

دوسرا سنگ تراش :۔ لیکن تم یہ جان کر کیا کروگے؟ مجھے بتاؤ تم کون ہو؟

پہلا سنگ تراش:۔ میں؟ تم مجھے نہیں جانتے۔ تمھیں نہیں معلوم، میں نئی دنیا کا ایک نیا سنگ تراش ہوں۔جسے اس ہنسی کا انتظار ہے، اس کی آواز کا انتظار ہے۔ بتاؤ وہ آواز کہاں ہے۔مجھے معلوم ہے وہ سریلی آواز ان بڑی بڑی چٹانوں میں قید ہے ان گمبھیر اندھیروں میں کھوئی ہوئی ہے۔ میں اسے کھوجنا چاہتا ہوں آزاد کرانا چاہتا ہوں۔ اس آواز کو اس ہنسی کو، دراصل میرا ہی انتظار ہے۔

دوسرا سنگ تراش :۔ (حقارت سے) تمہارا انتظار؟ تم کدھر بھٹک کر آگئے ہو۔ تمھیں معلوم ہے۔ان تاریک غاروں میں جو آواز چھپی ہوئی ہے وہ دراصل میری آواز ہے۔ جو صدیوں سے ان میں گونج رہی ہے۔ جو سوائے میرے آج تک کسی اور نے سنی نہیں۔اس لیے کہ تم جیسے کسی انسان میں اتنی شکتی نہیں کہ وہ آواز سن سکے۔

پہلا سنگ تراش :۔ لیکن یقین کرو ۔ میں نے ابھی ابھی ایک سریلی آواز سنی ہے ۔ گھنگروں کی رسیلی جھنکار سنی ہے ۔ اگر تمھیں معلوم ہو تو بتاؤ وہ کس کی آواز تھی ۔ میں تم سے بنتی کرتا ہوں ۔

دوسرا سنگ تراش :۔ مجھ سے بنتی کرتے ہو ؟ (خوب زور سے قہقہہ لگاتا ہے) نئی دنیا کا نیا انسان مجھ سے بنتی کرتا ہے ۔ تم جاننا چاہتے ہو وہ کون تھا جس کی آواز تم نے سنی ہے ؟ تو سنو، وہ میرا ہی ایک روپ ہے ۔

پہلا سنگ تراش :۔ تمہارا روپ ؟ تو کیا تم انسان نہیں ہو ؟ (کچھ سہمے ہوئے لہجے میں) تم ہر گھڑی اپنا روپ بدل لیتے ہو ۔ ابھی ابھی تم پتھر تھے ۔ ابھی ابھی ایک حسین رقاصہ اور..... اور ابھی ایک بدشکل بڈھے ۔

دوسرا سنگ تراش :۔ (قہقہہ لگا کر) ڈرو نہیں مجھ سے ۔ میرے قریب آو مجھے غور سے دیکھو--- تم مجھے بدشکل سمجھتے ہو ؟ عجیب بات ہے ۔ تم اگر مجھے بدشکل سمجھتے ہو تو پھر تمہاری دنیا میں ابھی سندرتا نے جنم ہی نہیں لیا ۔ تمھیں معلوم ہی نہیں کہ حسن کہتے کسے ہیں ۔

پہلا سنگ تراش :۔ مگر..... مگر..... تم تو ۔

دوسرا سنگ تراش :۔ گھبراو نہیں ۔ میرے قریب آو ۔ میں تمھیں بتاؤں میں کون ہوں ۔ ذرا ان غاروں کو دیکھو تمھیں ہر طرف پتھر ہی پتھر نظر آتے ہیں ۔ مگر یہ صرف پتھر ہی نہیں ہیں ۔ ان کی شکل وہ نہیں جو تم دیکھتے ہو ان کی اصل شکل وہ ہے جو حرکت کرتی ہے اور بولتی ہے، ناچتی اور گاتی ہے ۔ اور تم جانتے ہو یہ سب ناچتی گاتی شکلیں کس کی ہیں ؟ میری ہیں میری ۔ (ہنستا

ہے)

پہلا سنگ تراش: ۔ (ابھی کچھ پریشان ہی ہے) کون ہو تم، سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟

دوسرا سنگ تراش: ۔ میں بھی ایک پتھر ہوں ۔ ایک پتھر، جسے شاید تم بھولے سے انسان سمجھ رہے ہو ۔ لیکن ٹھیک ہی تو ہے تم ایک پتھر کو آج انسان سمجھ رہے ہو ۔ ہم روز یہاں آنے والے کئی انسانوں کو پتھر سمجھتے ہیں ۔

پہلا سنگ تراش: ۔ تم انسان کو پتھر سمجھتے ہو؟ تمہارے پاس انسان اور پتھر میں کوئی فرق نہیں ۔ (ذرا بے باکانہ طور پر) ہونہہ، تم شاید اس فرق کو نہیں سمجھ سکتے ۔ تمہاری پتھریلی آنکھیں دیکھ بھی کیا سکتی ہیں ۔ تم نے ابھی انسان کو دیکھا ہی کہاں ۔؟

دوسرا سنگ تراش: ۔ (ہنستے ہوئے) تم نے اتنے انسان نہیں دیکھے جتنے کہ میں نے دیکھے ہیں ۔ اجنتا کے ان غاروں میں برس ہا برس سے ہر ملک اور ہر رنگ و نسل کے آدمی آتے ہیں ۔ اور ہم ان سب کو دیکھتے ہیں ۔ وہ سب دور دور سے ہم کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں اور بڑے شوق سے دیکھتے ہیں ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھتے اور شاید وہ ہم کو دیکھنے کے لیے نہیں آتے بلکہ اپنے آپ کو دکھانے کے لیے آتے ہیں ۔ ہمارے سامنے آکر کوئی ہنستا ہے ۔ کوئی روتا ہے، کوئی گاتا ہے اور ناچتا ہے کوئی اپنے آپ کو بھول جاتا ہے ۔ ہم نے یہاں انسان کو ہر رنگ میں دیکھا ہے ۔ لیکن وہ انسان ہم کو صرف ایک رنگ میں دیکھتا ہے ۔ وہ ہمارا صرف ایک روپ دیکھتا ہے اور ہم

اس کے کئی روپ کئی شکلیں دیکھتے ہیں۔ بتاؤ پتھر کی آنکھ تیز ہوتی ہے یا انسان کی؟

پہلا سنگ تراش:۔ تم نے کئی قسم کے انسان ضرور دیکھے ہیں مگر تم نے ابھی انسان کی نظر نہیں دیکھی وہ کتنی تیز اور کتنی بلند ہوتی ہے۔

دوسرا سنگ تراش:۔ (ہنستا ہے) تم ابھی نادان ہو۔ بھلا انسان کی نظر ہوتی ہی کہاں ہے جو ہم دیکھ سکتے۔ اس کی نظر ہوتی تو وہ اپنے آپ کو کب کا دیکھ چکا ہوتا۔ مگر صدیاں گزر گئیں۔ کبھی کسی انسان نے انسان کو نہیں دیکھا۔ بتاؤ تم نے کہیں کسی انسان کو دیکھا ہے؟

پہلا سنگ تراش:۔ عجیب سوال ہے تمہارا! میں نے انسان کو نہیں دیکھا؟ تمہارا مطلب ہے کہ اس دنیا میں کہیں انسان نہیں بستا۔

دوسرا سنگ تراش:۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں۔

پہلا سنگ تراش:۔ تو پھر میں کون ہوں؟

دوسرا سنگ تراش:۔ یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو؟ اس کا مطلب ہوا کہ تم کو ہی یقین نہیں کہ تم انسان ہو۔

پہلا سنگ تراش:۔ مجھے اپنے انسان ہونے پر پورا یقین ہے۔

دوسرا سنگ تراش:۔ تم اور انسان! (قہقہہ لگاتا ہے) تمہارا یہی یقین تو تمہیں انسان نہیں بننے دیتا۔ تم کو یہ یقین نہ ہوتا تو شاید تم اب تک انسان بن جاتے۔ اور اگر تم اپنے آپ کو انسان کہتے ہو تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان پتھروں کی مورتیوں کو کیا سمجھوں جن کی زندگی میں تم سے زیادہ حسن

ہے، خوبصورتی ہے، جن میں تم سے زیادہ زندہ رہنے کی شکتی ہے - اور تمہاری زندگی سے زیادہ شانتی ہے، امرتا ہے -

پہلا سنگ تراش :- لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ ان پتھروں کو اور ان مورتیوں کو یہ زندگی کس نے دی ہے - یہ شانتی اور امرتا کس نے دی ہے - انسان نے، انسان کی شکتی نے -

دوسرا سنگ تراش :- ہاں اسی لیے شاید تمہارا انسان آج شانتی کے لیے روتا ہے، زندگی کے لیے بلبلاتا ہے، اور اسی لیے تمہاری بستیوں سے، تمہارے جگمگاتے شہروں سے دور رہ کر بھی اجنتا کی ہر مورت انسان سے پناہ مانگتی ہے ان پتھروں کے دل بھی انسان کے خوف سے لرزتے رہتے ہیں -

پہلا سنگ تراش :- یہ سب غلط ہے -

دوسرا سنگ تراش :- یہ سب سچ ہے - مجھ سے جھوٹ نہ کہو - تمہارے اسی جھوٹ کی وجہ سے تمہیں انسان نہیں سمجھتا -

پہلا سنگ تراش :- تو پھر تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟

دوسرا سنگ تراش :- میں تمہیں کیا سمجھتا ہوں؟ ایک موم کا پتلا - ایک چھوٹا سا کھلونا جس سے موت دن رات کھیلتی ہے اپنا دل بہلاتی ہے، اپنے ہاتھوں میں نچاتی ہے - اچھالتی اور گراتی ہے اور جب اس کا جی بھر جاتا ہے تو توڑ کر پھینک دیتی ہے، جلا ڈالتی ہے - تم آج زندہ ہو، کل مر جاوگے - (ہنستا ہے) موت کا کھلونا! مگر مجھے دیکھو - موت میرے ہاتھ کا ایک کھلونا ہے جسے میں نے توڑ کر پھینک دیا ہے - جلا کر خاک کر دیا ہے - اب وہ مجھے نہیں چھو سکتی - اب

وہ مجھ سے ڈرتی ہے، دور بھاگتی ہے۔ اس لیے کہ میں دنیا کا لافانی حسن ہوں کبھی نہ مٹنے والا نقش ہوں، ساری دنیا کے روپ کی امرتا ہوں۔

پہلا سنگ تراش :۔ مگر تم جانتے ہو تمہیں یہ لافانی روپ کس نے دیا ہے؟

دوسرا سنگ تراش :۔ میں خوب جانتا ہوں مجھے یہ روپ دیا ہے ایک اندھے انسان نے جو کبھی اپنا روپ نہ دیکھ سکا۔ ایک ڈرپوک انسان نے جس نے موت سے ڈر کر ان پتھروں میں اور ان غاروں میں پناہ ڈھونڈی اس لیے کہ اسے خوب معلوم تھا کہ اس کی عمر سے کروڑوں برس زیادہ ان پتھروں کی عمر ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ کبھی نہ مرے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہے اور موت پر فتح پا جائے اور موت سے ڈر کر وہ ان پتھروں میں چلا آیا اور چپکے سے اس نے اپنی روح ان پتھروں میں بھر دی، اور اپنا رنگ و روپ ان پتھروں کو دے دیا اور یہ سمجھ بیٹھا کہ وہ موت سے بچ گیا۔ لیکن وہ نادان تھا۔ اپنی زندگی اور امرتا کے لیے اس نے پتھر سے مدد مانگی اس کی منتیں کیں۔ اسے پوجنے لگا۔ پتھر کو اس نے حسین ترین روپ سمجھا اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ دنیا میں پتھر سے بڑی کوئی شکتی نہیں اور وہ شکتی اسے موت سے بچالے گی مگر.. مگر اس دیوانے کو اس کے ساتھی انسان ہی نے مار ڈالا۔

پہلا سنگ تراش :۔ یہ غلط ہے۔ اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ وہ پتھر کو نہیں اپنی شکتی کو سب سے بڑی شکتی سمجھتا ہے۔ وہ انسان مرا نہیں۔ زندہ ہے۔ ایک شکل میں نہیں لاکھوں کروڑوں انسانوں کی شکل میں جسے میں روز دیکھتا

ہوں۔

دوسرا سنگ تراش: ۔تو پھر یہاں کیا دیکھنے آئے ہو؟

پہلا سنگ تراش: ۔یہاں میں دیکھنے آیا ہوں اس انسان کی نظر کا کمال جسے تم اندھا سمجھتے ہو۔ اس انسان کا بلند حوصلہ اور اس کی ویرتا جسے تم ڈرپوک کہتے ہو اس انسان کی شکتی جسے تم موم کا پتلا سمجھتے ہو، اس انسان کی امرتا جسے تم موت کا کھلونا سمجھتے ہو میں یہاں دیکھنے آیا ہوں اسی انسان کو جس نے گنجان اور تاریک جنگلوں کو اپنی نظر کی روشنی سے جگمگا دیا۔ وہ انسان جو بڑی بڑی چٹانوں کو کھلونا سمجھ کر اچھالتا رہا ان سے کھیلتا رہا۔ جس نے ان پتھروں کو اپنی ہمت اور طاقت کی گرمی سے پگھلا کر موم بنا دیا۔ اور اس موم کا رنگ و روغن بنا کر ان ہی چٹانوں کو حسن دیا، روپ دیا، رنگ دیا۔ ایک طویل زندگی اور امرتا دے دی۔

دوسرا سنگ تراش: بڑی چھوٹی سمجھ کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ جس انسان کی تم باتیں کر رہے ہو وہ کب کا مر چکا۔ اس نے ان بڑی بڑی چٹانوں کو تو موم بنا دیا لیکن خود پتھر بن گیا۔ بس ایک پتھر جسے پھر کوئی دوسرا تراش نہ سکا۔ اس نے ان چٹانوں میں مقید کئی حسین شکلوں کو آزاد کر دیا لیکن اپنے آپ کو آزاد نہ کر سکا۔ ان بدشکل چٹانوں کو حسین روپ اور رنگ تو دے دیا مگر اپنے آپ کو وہ کوئی رنگ روپ نہ دے سکا۔ ان پتھر کی مورتوں کو اس نے دنیا بھر کی شہرت بخش دی مگر خود گمنامی کی کھائی میں پڑا سسک سسک کر دم توڑ دیا۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ وہ مر گیا۔ وہ مر گیا۔

پہلا سنگ تراش: ۔ یہ سب کچھ تمہارا وہم ہے، تمہارا خیال خام ہے ۔ یہ سب کچھ تمہارا بڑھاپا تم سے کہلوا رہا ہے ۔

دوسرا سنگ تراش: ۔ (طنزیہ ہنسی کے ساتھ) بڑھاپا! بڑھاپے کو تم کیا سمجھو گے نوجوان، یہ بڑھاپا انسان کی عقل کی جوانی ہوتا ہے جوانی ۔

:۔ پہلا سنگ تراش: ۔ یہ بھی تمہارا وہم ہے، ایک کچا یقین ۔ ہر بوڑھا کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو جوان سمجھ لیتا ہے ۔ اور جب تک کہ لفظ جوانی اس کی زبان پر نہ آئے اس کی زبان کا مزہ ہی نہیں بدلتا ۔ تمہیں کیا معلوم کہ انسان نے آج کل زندگی کو کتنا لذیذ بنادیا ہے ۔ کتنا حسین اور نوجوان بنادیا ہے اس نئی دنیا کے بنانے والے نئے انسان کو تم نے دیکھا ہی کہاں ۔

دوسرا سنگ تراش: ۔ (طنز سے) نئے انسان کو! اس نئے انسان کو بھی میں روز دیکھتا ہوں ، اور ، اور یہی سمجھتا ہوں کہ وہ انسان تو ہے مگر اس کے سینے میں انسان کا دل نہیں، اس کی نظر انسان کی نظر نہیں، وہ انسان تو ہے مگر اس کا رنگ روپ انسان کا رنگ روپ نہیں ۔ وہ انسان تو ہے مگر وہ انسان ، انسان نہیں ۔

پہلا سنگ تراش: ۔ یہ بھی تمہاری نظر کا دھوکا ہے ۔ تمہاری محدود نظروں نے یہی چند مورتیں دیکھی ہیں ۔ یہی چند رنگ روپ دیکھے ہیں یہی نقوش دیکھے ہیں ۔ تم نہیں دیکھ سکو گے کہ نئے انسان نے کتنے نئے اجنتا بنا ڈالے ہیں ۔

دوسرا سنگ تراش: ۔ (نرمی سے ہنستے ہوئے) اجنتا تو اس نے کئی بنا

ڈالے ہوں گے، مگر ایسا اجنتا اب کہیں نہ بن سکے گا۔

پہلا سنگ تراش: ۔ ایسا اجنتا! (چاروں طرف نظر ڈال کر) ایسا ہی اجنتا بنے گا۔ لیکن اس کے رنگ روپ نئے ہوں گے اس کے نقش و نگار نئے ہوں گے حسن نیا ہوگا نئے ہاتھ۔ نئی نظر اور نئی محنت ایک نیا اجنتا بنائیں گے جس کا حسن ہمارا حسن ہوگا۔ جس کا نام ہمارا نام ہوگا، اس کی ہر مورت ہمارے ساتھ جیے گی، ہمارے ساتھ ہنسے گی اور پھر اسی سارے اجنتا کا ایک ایک نقش ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہے گا۔ (چٹان کے قریب جاکر دونوں ہاتھوں سے چٹان کو پکڑ لیتا ہے) آج ہی اس پرانی چٹان کو تراش کر ایک حسین مورت بنادوں، اور نئے اجنتا کی بنیاد رکھ دوں۔

(پیچھے سے اسی عورت کا ایک زوردار قہقہہ سنائی دیتا ہے)

دوسرا سنگ تراش: ۔ (قہقہے کو سن کر چونک جاتا ہے) یہ کون ہنس رہا ہے

پہلا سنگ تراش: ۔ (اسی کھوئے ہوئے انداز میں) یہ نیا اجنتا ہنس رہا ہے ۔ اجنتا کی جیتی جاگتی تصویر ہنس رہی ہے۔

(عورت کا قہقہہ اور بلند ہوجاتا ہے۔ پہلا سنگ تراش بوڑھے کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے) دیکھو دیکھو یہ وہی آواز ہے۔ وہی ہنسی ہے، جو میں نے سنی تھی، یہ وہی رقاصہ ہے جس کے پیروں میں بندھے گھنگروں کی جھنکار نے مجھے بلایا تھا۔ آواز بتاتی ہے کہ وہی آواز ہے جو مدت سے میری سماعت میں بسی ہوئی ہے۔

(ہنسی کی آواز کے ساتھ ساتھ گھنگروؤں کی دھیمی دھیمی چھنک بھی سنائی دیتی ہے جو رفتہ رفتہ قریب آرہی ہے) دیکھو، دیکھو، وہ آرہی ہے۔

دوسرا سنگ تراش:۔ لیکن اتنی رات گئے یہاں کوئی کیسے آگیا؟ بتاؤ، یہ کون ہے؟

(ہلکے ہلکے سروں میں وہی گیت کورس کی شکل میں پس منظر سے ابھرتا ہے۔گیت کے ساتھ ستار کی دھیمی لے اور طبلے کی ہلکی تھاپ بھی جاری رہتی ہے جب کورس کی آواز زیادہ واضح ہوجاتی ہے تو ایک حسین نوجوان عورت نہایت دیدہ زیب لباس پہنے ہوئے بڑی ہی وجاہت اور متانت کے ساتھ چٹان کے پیچھے سے اسٹیج پر آتی ہے۔لباس سرتاپا سفید ہے(کوئی موزوں لباس جب وہ اسٹیج پر آجاتی ہے تو کورس بہت ہی دھیما ہوجاتا ہے اور رفتہ رفتہ بند ہوجاتا ہے۔ دونوں سنگ تراش اس شکل کو دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتے ہیں)

عورت:۔(بہت ہی متانت سے لیکن لہجے میں تھوڑا طنز لیے دوسرے سنگ تراش سے مخاطب ہوتی ہے) تم مجھے نہیں جانتے؟ مجھے ذرا غور سے دیکھو۔ (پہلے سنگ تراش کی طرف اشارہ کرکے) ان سے کیا پوچھتے ہو۔تم نے میرے ساتھ صدیاں گزار دیں۔ذرا نظر اٹھا کر دیکھو کہ میں کون ہوں۔

دوسرا سنگ تراش:۔(غور سے اسی حیرت زدہ انداز میں دیکھتے ہوئے رک رک کر) لیکن.... لیکن....

عورت:۔(بڈھے کی حیرت پر لطف اٹھاتے ہوئے ہنستی ہے۔اس کی

بات کاٹ کر) تم مجھے نہیں پہچان سکتے؟ اتنے سال پرانی آنکھیں روز کی دیکھی بھالی شکل کو پہچان نہ سکیں؟ کتنی عجیب بات ہے!

دوسرا سنگ تراش:۔(عورت کو بہت غور سے دیکھتے ہوئے) ہاں... میں تمہیں پہچان رہا ہوں تم.... تم تو....

عورت:۔ہاں، ہاں۔میں۔میں وہی ہوں، جسے تم نے سالہا سال سے اپنے خیالوں کی زنجیر میں جکڑے رکھا میں وہی ہوں جسے تمہاری نظریں نہ جانے کب سے تلاش کررہی ہیں۔

دوسرا سنگ تراش:۔(کچھ کچھ پہچان لینے کے انداز میں) ہاں.... ہاں۔لیکن تمہارا مقام تو صرف میرے خیالوں میں تھا تمہارا وجود تو صرف میرے تصور میں تھا، اور پھر تمہاری شکل تو....

عورت:۔(بات کاٹ کر) میری شکل! میری شکل بدلی نہیں، میری شکل وہی ہے جسے ہزار بار تم نے اپنی آنکھوں سے لگایا۔یہ وہی شکل ہے جو تمہارے پتھریلے دل کی دھڑکنوں میں زمانے سے قید ہے۔

دوسرا سنگ تراش:۔ہاں، ہاں تم تو اب بھی میرے دل کی دھڑکنوں میں قید ہو۔میری سانسوں میں بسی ہوئی ہو۔تم مجھ سے جدا نہیں ہو۔مگر آج تمہیں دیکھ کر ایسا محسوس کرتا ہوں.. جیسے تم اجنبی ہو۔آج تمہارا روپ بدلا ہوا ہے، انداز بدلا ہوا ہے لیکن یہ میری کلا کی سچائی ہے، میری صلاحیتوں کی معراج ہے تمہیں آج اپنی نظر سے جیتی جاگتی شکل میں دیکھ رہا ہوں۔زور سے ہنستا ہے) تم میری امرتا ہو، اجنتا کی زندگی ہو۔(بے حد خوش ہوکر) مجھے یقین

تھا میں تمہیں ضرور پالوں گا۔ میں نے تمہاری تلاش میں بڑی بڑی چٹانوں کو اپنے راستے سے ہٹادیا۔ میں نے تمہیں کتنے ہی تاریک غاروں میں ڈھونڈا۔ میں نے، ہاں میں نے، تمہاری تلاش میں دن رات ایک کر ڈالے۔ ان چٹانوں کے ساتھ صدیاں گزار دیں، صرف اس امید پر کہ تم ضرور ملوگی۔ اور آج آخر تم مل گئیں۔۔۔آو۔۔

(عورت کی طرف دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے بڑھتا ہے۔ جوش اور خوشی سے ہاتھوں میں رعشہ آگیا ہے)

عورت:۔(کچھ پیچھے ہٹتے ہوئے) ٹھہرو۔ اب تمہارے یہ کانپتے ہوئے ہاتھ مجھے چھو نہیں سکتے۔ (بڈھا اپنے ہاتھ کھینچ لیتا ہے) ان بوڑھے ہاتھوں کی میں عزت کرتی ہوں۔ ان ہاتھوں سے مجھے پیار ہے۔ تمہاری صلاحیتوں کی میں قدر کرتی ہوں۔ تمہاری کلا کو میں بہت مہان سمجھتی ہوں۔ لیکن آج تم نے جھوٹ کہا۔ تم نے مجھے دیکھ کر یہ بھلادیا کہ تمہاری نظر میں میرا یہ روپ نہیں تھا۔ یہ رنگ نہیں تھا۔ یہ حسین لباس نہیں تھا۔ مجھے معلوم ہے تم نے مجھے اپنے خیالوں میں اس لیے قید رکھا کہ تمہیں مجھ سے پیار تھا۔ اپنی دھڑکنوں میں اس لیے چھپائے رکھا کہ تمہیں میری لگن تھی۔ (نوجوان سنگ تراش پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر) لیکن آج کسی کی آواز نے بتادیا کہ تمہارا سمئے بیت گیا ہے آج کسی کی آواز نے ان چٹانوں کے دل کو پھر سے جیسے دھڑکن کا احساس دلادیا آج اسی آواز نے مجھے زبان بخش دی میرے پائلوں میں جھنکار پیدا کردی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اجنتا پھر سے جاگ رہا ہے، نئے رنگ روپ کے ساتھ اور نئی

جھنکار کے ساتھ ---- اس آواز نے مجھے آج چٹان سے نکال کر آزاد کر دیا۔

دوسرا سنگ تراش :۔ لیکن وہ میری ہی آواز ہے جو تمہیں زندگی دے سکتی ہے ۔ وہ میری ہی آواز ہے جو تمہارے پائلوں کو سریلی جھنکار دے سکتی ہے ۔ مجھے غلط نہ سمجھو ۔ تم میرے ان رعشہ دار ہاتھوں کو میرے بوڑھے چہرے کو نہ دیکھو تم میرے ان جھکے ہوئے شانوں کو نہ دیکھو جو وقت کے بوجھ تلے دب کر جھک گئے ہیں ۔ تم میرے اس دل کی آواز سنو جو اب بھی تمہارے ہی نام کے ساتھ دھڑکتا ہے ۔ میرے دل کی اس آس کو دیکھو جو سالہا سال سے ایک گھاؤ بن کر میرا خون پیے جا رہی ہے --- دیکھو میرے دل میں اب بھی وہی تپش ، وہی گرمی ہے جس نے کبھی ان بڑی بڑی چٹانوں کو پگھلا کر ان حسین مورتوں میں ڈھال دیا تھا ۔ مجھے اس طرح دور نہ کر دو ۔ وہ صرف میری ہی آواز ہے جس نے تمہیں آج آزادی بخش دی ہے ۔

پہلا سنگ تراش :۔ (عورت سے مخاطب ہو کر) نہیں ۔ وہ میری آواز تھی جس نے تمہیں ابھی ابھی ہنسنے پر مجبور کیا تھا ۔ میری ہی آواز سن کر تو تم ابھی ابھی ہنس رہی تھیں ۔ مجھے یقین ہے تم مجھے جانتی ہو ۔ میری ہی آواز نے ابھی ابھی تمہاری پائلوں میں حرکت پیدا کی تھی جسے سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ اجنتا پھر سے جاگ اٹھا ہے ۔

دوسرا سنگ تراش :۔ یہ سب غلط ہے ۔ یہ نوجوان تمہیں بہکا رہا ہے ۔ تم نہیں جانتیں یہ کون ہے ۔ یہ وہی نیا انسان ہے جو دولت اور اقتدار کی ہوس میں اجنتا جیسی امر کلا کو ملیامیٹ کرنا چاہتا ہے ۔ زمین اور پیسے کی خاطر اپنی

ساری تہذیب کو مٹا دینا چاہتا ہے۔ اجنتا کی ان حسین مورتوں کو اپنے بھائی کے خون سے رنگنا چاہتا ہے۔ اس کی آواز کے قریب بھی آوگی تو تمہاری پائلوں کی سریلی جھنکار ہولناک چیخوں میں بدل جائے گی۔ اس آواز کے پیچھے تباہیاں ہیں، بربادیاں ہیں، آہیں ہیں، چیخیں ہیں۔ اس آواز کے پیچھے بڑی بڑی توپوں کے دھماکے ہیں۔ جو اجنتا کے ان حسین شیش محلوں کو چکنا چور کر دیں گے۔ اس آواز کے پیچھے آگ ہی آگ ہے جو تمہارے اس رنگ روپ کو جلا کر بھسم کر دے گی۔ پھر اجنتا کا کہیں نشان نہ رہے گا۔ کوئی نہ جان سکے گا کہ کبھی اس دھرتی پر اتنی حسین دنیا بھی بستی تھی۔ دیکھو خبردار، اجنتا کی شانتی کو اس آواز سے بچائے رکھنا۔

عورت :۔ (بلند آواز میں) ایسا نہیں ہوگا۔ مجھے یقین ہے، مجھے یہ آواز دھوکا نہیں دے گی۔ یہ آواز مجھے میری اپنی معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا سنگ تراش :۔ تمہیں دھوکا ہوا ہے۔ تم بھی اس نئے انسان کے فریب میں آگئی ہو۔

پہلا سنگ تراش :۔ تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔ سچ پوچھو تو مجھے تم سے ہمدردی ہو چلی ہے، مجھے غلط نہ سمجھو۔ تم جس انسان کی بات کرتے ہو وہ انسان مر رہا ہے، تم جس آواز سے ڈرتے ہو وہ آواز مر رہی ہے۔ اب وہ آواز کبھی بھی نہ ابھر سکے گی۔ مجھ پر بھروسہ رکھو میں وہ انسان ہوں جو تمہاری عزت کرتا ہے تمہیں مہاپرش سمجھتا ہے، اور تمہاری مہان شکتی کو دل سے مانتا ہے۔

دوسرا سنگ تراش :۔ (طنزاً) تم میری عزت کرتے ہو، مجھے مہا پرش سمجھتے ہو، میری شکتی کو دل سے مانتے ہو۔ تم ایسا نہیں کرسکتے تم کبھی ایسا نہیں کرسکتے ۔ (درد بھرے لہجے میں) تم مجھے جانتے ہی کہاں ہو جو ایسا کرسکو، ذرا بلند آواز میں) تم نے خون سے بھرے زخمی ہاتھ کہاں دیکھے ۔ تم نے جلتی ہوئی آنکھیں اور درد سے پھٹتا ہوا دل دیکھا ہی کہاں ۔ تم نے میرا اصلی روپ نہیں دیکھا تم نے دیکھا ہے ان خوب صورت نقش و نگار کو لیکن ان کے پیچھے چھپے ہوئے پتھرے کی جھریاں کہاں دیکھیں تم نے دیکھی ہیں یہ پتھر کی حسین مورتیں ۔ لیکن ان پتھروں کے پیچھے درد سے دھڑکتے ہوئے دلوں کو کہاں دیکھا۔ تم نے دیکھے ہیں یہ حسین بدن، یہ حسین دست و پا لیکن ان کے پیچھے تھکن سے نڈھال ہاتھ پاؤں کہاں دیکھے ۔ (جیسے دلی کرب میں مبتلا ہو۔۔ آواز بھرا گئی ہے۔۔ ڈوبے ہوئے لہجے میں) دیکھو، دیکھو میرے دل میں ایک زخم ہے، بہت گہرا زخم ۔ یہ اس غم کا نشان ہے جس کا اظہار کرنے کرنے تک میری زبان بند کردی گئی ۔ میری زبان پتھر بن گئی ۔ میری کامیابی کو، میری کامرانی کو دیکھو کہ میری کلا نے دنیا بھر کی شہرت حاصل کرلی ۔ مجھے کتنی زیادہ خوشی نہ ہونی چاہئے لیکن وہ خوشی میرے دل میں ایک زہریلا غم بن کر بس گئی ۔ مجھے یہ غم نہیں کہ دنیا نے مجھے بھلادیا مجھے یہ غم ہے کہ مجھے میرے فن نے میری اپنی کلا نے بھلادیا۔

عورت: ۔ (متاثر ہو کر)

مجھے معاف کردو، میں نے تمہارے دل کو بہت دکھ دیا ہے ۔ لیکن میں

ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے میں مجبور ہوں، مجھ میں اب وہ شکتی نہیں کہ تمہارے قریب آسکوں۔ مجھے معاف کردو۔

دوسرا سنگ تراش:۔ (عورت کو حسرت بھری نظر سے دیکھتے ہوئے) تم مجھ سے معافی مانگتی ہو؟ مجھ سے؟ (درد بھرے انداز سے ہنستا ہے) آخر تمہارا پتھر دل بھی پگھل گیا۔۔۔ دیکھا تم نے میری بوڑھی آواز میں کتنی شکتی ہے!

عورت:۔ مجھے انکار نہیں۔ تم نہ سمجھ سکو گے کہ تمہیں میں کیا سمجھتی ہوں۔ تمہارے دل کی آگ ہی نے تو اس چٹان کو پگھلا دیا تھا جس میں میں قید تھی۔

دوسرا سنگ تراش:۔(دل کو سہلاتے ہوئے) میرے دل کی آگ!! میرے دل کی آگ اب بجھ رہی ہے۔ میں اب نہ کہوں گا کہ تم میرے قریب آو اب سچ مچ تم میرے قریب نہ آسکو گی۔ ساری دنیا نے مجھے بھلا دیا لیکن اب مجھے یقین ہو رہا ہے کہ نئے انسان کے روپ میں ڈھل کر بھی تم مجھے بھلا نہ سکو گی۔ (نوجوان سنگ تراش سے) اے نئے انسان، اجنتا کا یہ جیتا جاگتا حسن مجھے یقین دلا رہا ہے کہ تیرے ہاتھوں میری کلا امر ہو جائے گی۔

(اپنا دل سہلاتے ہوئے دھیرے دھیرے واپس چلا جاتا ہے۔ پہلا سنگ تراش اسے جاتے ہوئے دیکھ کر اس کی طرف تھوڑا سا بڑھ کر رک جاتا ہے۔ عورت مغموم سر جھکائے کھڑی ہے۔ پس منظر سے دھیمے سروں میں وہی کورس گایا جائے)

پہلا سنگ تراش:۔ (اسی طرف رخ کیے ہوئے انداز میں) اجنتا کلاکار۔

تو امر ہے تو لافانی ہے ۔ تونے اپنی کلا کی شکتی نئے انسان کو سونپ دی ہے (عورت کی طرف رخ کر کے) اب نیا اجنتا بنے گا ۔ اس دھرتی پر ایک نئی دنیا بنے گی ۔ ایک نئی دنیا جس میں حسن ہی حسن ہوگا اور شانتی ہی شانتی ۔ اور (عورت کے چہرے کے قریب دونوں ہاتھ لے جاکر) اور اس چہرے کا امر روپ...... (عورت یک لخت پیچھے ہٹ جاتی ہے)

عورت :۔ (دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتے ہوئے) نہیں ۔ ابھی میرے قریب نہ آنا ۔ ابھی میں تمہارے قریب نہیں آسکتی ۔ (چٹان کے پچھلے حصے کے قریب جاکر) تم مجھے بلانا، میں آؤں گی ۔ مجھے آواز دینا ۔ میں اسی چٹان سے نکل آؤں گی ۔ (کہتے ہوئے چٹان کے پیچھے غائب ہو جاتی ہے)

(پہلا سنگ تراش ۔ کچھ آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ پھیلا کر چٹان کو پکڑ لیتا ہے اور پہلے کی طرح چٹان کو کھوئے انداز میں دیکھتا رہ جاتا ہے)

(کورس کی آواز کچھ تیز ہو جاتی ہے)

پردہ

شامِ تنہائی

کردار

(۱) نادرہ. عمر ۳۰۔۳۵ سال
(۲) حاتم عمر ۳۵۔۴۰ سال
(۳) کبیر چند کبیر شاعر عمر ۴۰ سال
(۴) جاگیردار عمر ۴۵ سال
(۵) نیتاجی ۔ سکھ لال عمر ۴۶ سال
(۶) مسز فیاض عمر ۳۰۔۳۲ سال

یہ سب خوش حال گھرانوں اور اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہیں

(۷) بیرا عمر ۷۷ سال

(نادرہ کے انداز گفتگو سے اور ان موضوعات سے جن سے وہ دلچسپی کا اظہار کرتی ہے، صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک بہت ہی موڈرن ٹیسٹ کی عورت ہے اور اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس وقت وہ اپنے جدید ترین طرز کے ڈرائینگ روم میں حاتم سے مصروف گفتگو ہے۔ ڈرائینگ روم میں نادرہ سے قریب ہی ٹیلیفون سٹ رکھا ہے اور ملازموں کو بلانے کے لئے کال بل سوئچ بھی ہے)

نادرہ: (ایک دلچسپ ہنسی کے ساتھ) ۔ اچھا تو حاتم، اب تم ہی بتاؤ تمہاری کسی بات پر مجھے بھروسہ آئے تو کیسے؟ آج تو میرے سامنے تم نے صاف صاف کہہ دیا کہ تم کو مجھ سے نفرت ہے اور دھمکی بھی دی ہے کہ زندگی بھر اب تم میری صورت بھی نہیں دیکھو گے ۔ ہے نا؟

حاتم: (سنجیدہ لہجے میں) ہاں، یہ بالکل سچ ہے، تمہارا خیال بالکل درست ہے۔

نادرہ۔ دیکھو تو، نفرت بھی کیسا جذبہ ہوتا ہے! واہ۔ (مضحکہ اڑانے کے انداز میں ہنستی ہے)۔ لیکن تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری اس دھمکی سے میں ڈر جاوں گی، گھبرا جاوں گی۔؟ نہیں، بالکل نہیں۔ سنو اگر تم کو مجھ سے نفرت ہے تو مجھے بھی----

حاتم: (اس کی بات کاٹ کر) بس، بس میں خوب سمجھ رہا ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ لیکن یاد رکھو نادرہ، تمہارے اندر محبت کا جذبہ بھی میں نے ہی بیدار کیا تھا۔ اور آج نفرت کا جذبہ بھی میں ہی پیدا کر رہا ہوں۔

نادرہ: واہ، کیا نپی تلی بات کہدی تم نے۔ لیکن میرے پاس تمہاری اس بات کی کوئی اہمیت نہیں۔ تم نے مجھے چاہا تو میں نے بھی تم کو پسند کیا۔ لیکن آج تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ تو میں بھی تم سے نفرت کرتی ہوں۔ چلو آج یہ قصہ ختم ہوا۔ اپنی محبت کی بات آج یوں ختم ہو گئی۔ (زور سے ہنس دیتی ہے) واہ، لطف آگیا واقعی مزا آگیا۔ لیکن آج میری سالگرہ کی دعوت میں آئے ہو تو اس مبارک موقع پر یہ کیا منحوس بات چھیڑ دی تم نے۔ چلو کچھ دلچسپ باتیں کریں۔

حاتم: لیکن نادرہ، سچ سچ بتاو نادرہ، کیا واقعی تمہارے لئے یہ یقین بے حد خوشگوار ہے کہ ہماری بات ختم ہو گئی؟

نادرہ: (ایک زوردار قہقہہ لگا کر) ارے پھر کیوں ایسی بات کرتے ہو۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تمہارے اس ٹھاٹ باٹھ، تمہاری بے پناہ دولت اور اس شاندار زندگی کے لالچ میں تمہیں کھو دینے کے خیال سے

پچھتاؤں گی تو تمہلاذا یہ خیال ایک دم غلط ہے ۔ بے معنی ہے (ذرا سرد لہجے میں) سنو، میں اپنے پورے ہوش و حواس کے ساتھ اور ایک لذت بھرے یقین کے ساتھ کہہ رہی ہوں کہ تمہیں شاید مجھ سے اتنی نفرت نہیں ہوگی جتنی مجھے تم سے محسوس ہونے لگی ہے ۔

حاتم: (بات کی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے) یہ بات ہے ؟ یہ تم سچ کہہ رہی ہو ۔ ؟ لیکن ---- لیکن نادرہ (کچھ لہجہ بدلتے ہوئے) تم نے یہ بات کچھ اتنے صاف اور شفاف انداز میں کہہ دی ہے کہ تمہاری آنکھوں کی چمک مجھے پھر بہکارہی ہے ۔ جی چاہتا ہے کہ ایک لمحے کے لیے پھر لوٹ کر تمہارے قریب آجاؤں ۔ جب ایک حسین عورت کے دل میں، چھپی ہوئی بات اس کی زبان پر آجاتی ہے تو اس کی شخصیت میں کتنا جلال اور کتنا وقار آجاتا ہے جیسے ساری کائنات کو اپنے قدموں پر جھکا لے ۔ اف تم، نادرہ، سچ کہتا ہوں ۔

نادرہ: (دلچسپ انداز میں ہنستے ہوئے) دیکھو حاتم، تمہاری اس بات پر اس خوش رنگ گلدان سے یہ تر و تازہ پھول نکال کر میں اپنے گال پر سہلا رہی ہوں تاکہ مجھے ٹھنڈک محسوس ہو، سمجھے؟ یقین مانو، میں تمہیں تمہارے دوسرے تمام ساتھیوں سے کچھ زیادہ ہوشیار اور مکّار سمجھتی تھی لیکن تم بھی ان سب کی طرح روکھے پھیکے اور بدمزہ آدمی نکلے ۔ (ہلکی ہنسی) ۔ خیر تم کو اس وقت میری ان کڑوی باتوں کے جواب میں اچھی سی گرم گرم اور میٹھی چائے کی ضرورت ہے ۔ بیٹھو، میں ابھی چائے منگوا دیتی ہوں

(کال بل کی آواز، بیرا داخل ہوتا ہے)

بیرا: حضور۔

نادرہ: بیرا، صاحب کے لئے چائے لے آو

بیرا: ابھی لایا حضور۔

نادرہ: اور میرے لئے ٹھنڈا پانی لے آو۔ (حاتم سے) کیوں حاتم کچھ کھاوگے بھی؟

حاتم: میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ تمہاری چائے کا انتظار کر سکوں۔ اب میں چلتا ہوں۔

نادرہ: ارے بس، اتنی سی بات پر بگڑ گئے؟ اچھا چائے نہ سہی کچھ اور۔

حاتم: نہیں، مین کچھ نہیں پیوں گا۔ میں اب ایک منٹ بھی ٹھہرنا نہیں چاہتا۔

نادرہ: ایک منٹ بھی ٹھہرنا نہیں چاہتے؟

حاتم: ہاں، میں جارہا ہوں اور شاید پھر کبھی یہاں نہیں آوں گا۔

نادرہ: (ہنستے ہوئے) تم آوگے اور ضرور آوگے۔ اور اِس طرح آوگے جس طرح ہمیشہ آتے رہے ہو۔ لیکن اب اگر جانا ہی چاہتے ہو تو چلے جاو۔ چائے تو پی لو یا پھر میری سالگرہ کی تھوڑی سی شراب ہی سہی (ہلکی سی ہنسی)

حاتم: (اسی انداز میں) نہیں میں جارہا ہوں۔

نادرہ: (جیسے اس کے قریب جارہی ہے) ارے، رے، رے، اتنا غصہ اچھا نہیں۔ بس تھوڑی دیر ٹھہر جاو۔ (بیرے سے) بیرا، جاو، جلدی سے چائے لے آو۔

بیرا: جی حضور ۔ (بیرا چلا جاتا ہے) ۔

نادرہ: اچھا بھئی چھوڑو ان بدمزہ پیار پریم کی باتوں کو ۔ چلو کچھ دیر ہنس بول کر اس حسین دنیا کی باتیں کریں ۔ آؤ! بیٹھو ۔

حاتم: (جیسے نادرہ کی طرف اپنی باہیں بڑھا رہا ہے ۔ جذباتی انداز میں)) نادرہ میرے قریب آؤ ۔

نادرہ: (جیسے اس سے دور ہٹ رہی ہو) تم تو گھڑی بھر بھی یہاں ٹھہرنے کو تیار ہنیں تھے ۔ اور اب ساری زندگی یہیں بتانے کی کوشش کر رہے ہو ۔ (لذت بھری ہنسی)

حاتم: (کچھ بے چینی کے عالم میں ۔ جیسے کوئی بات کہنا چاہتا ہے لیکن کہہ ہنیں سکتا) ۔ دیکھو ----- دیکھو نادرہ ۔ تم نے آخر ---- تم نے آخر کیا سمجھ رکھا ہے مجھے ؟

نادرہ: (اسی ہنسی کے ساتھ) کچھ بھی ہنیں ۔

حاتم: (زچ ہو کر) افوہ نادرہ ۔ تم ---- تم ایک انسان کی زندگی سے کھیل رہی ہو ۔ دیکھو نادرہ ۔ میں تنگ آچکا ہوں، میں بھی تمہارے مرحوم شوہر رئیس کی طرح زہر پی کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں گا ۔

نادرہ: (یک لخت، سنجیدہ ہو کر) کیا کہا ہے؟ رئیس مرحوم ؟ وہ میرے شوہر ؟ (یکلخت زور سے قہقہہ لگاتی ہے) چھی چھی چھی، کیسی بدمزہ باتیں کر رہے ہو ۔

حاتم: دیکھو نادرہ ---- یہ سب کچھ مذاق ہنیں ہے ۔ میں تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں ۔

نادرہ: (بڑے اطمینان لہجے میں) تو ذرا آرام سے بیٹھو۔ جو جی میں آئے پوچھو لیکن جو سوال تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو۔ شاید اس کا جواب میں نے پہلے ہی دے دیا ہے۔ بعض جواب ایسے ہوتے ہیں جو سوال سے پہلے ہی دے دیئے جاتے ہیں۔۔۔

حاتم: دیکھو نادرہ، میں تم سے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، تم اس پر غور کرو۔ تم ایک بے سہارا عورت ہو۔ مانا کہ زندگی کی ساری آسائشیں تمہیں میسر ہیں لیکن عورت کا سب سے بڑا سہارا مرد ہوتا ہے۔ آج دنیا بھر کے لوگ تم کو اپنے فریب میں پھانسنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ تم بلا کی حسین ہو، مغرور ہو۔ لیکن دن بہ دن تم بدنام ہورہی ہو۔۔۔ دیکھو، اس سے قبل کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے۔ کوئی فیصلہ کرلو۔

نادرہ: (زور زور سے ہنستی ہے اور ہنستی ہی چلی جاتی ہے۔۔۔۔) واہ، واہ بھئی خوب، مجھے میری زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنا سکھارہے ہو۔ اف، کس قدر بور آدمی ہو۔۔۔ (لہجہ بدل کر) لو چائے آگئی پہلے چائے پی لو۔

حاتم: تم سمجھتی ہو کہ تم اس طرح عمر بھر مجھ سے کھیل سکوگی؟ تم کو یقین ہے کہ میں اس طرح تمہارے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہونگا۔؟ تم غلطی پر ہو۔ تم مجھے نہیں جانتیں۔

نادرہ: میں ہر آدمی کے متعلق اس سے آخری ملاقات تک اتنا ہی جانتی ہوں جتنا کہ اس کی پہلی ملاقات میں جان سکی ہوں۔ اس لئے کہ اس سے آگے جاننے کیلئے اس میں کچھ نہیں ہوتا۔ آؤ بیٹھو۔ چائے پی لو ٹھنڈی ہورہی ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر میں تم کو زیادہ جاننے کی کوشش کرتی تو شاید تمہیں کب کا بھلادیتی ۔(ایک ہنسی کے ساتھ) لو چائے تو لو۔

حاتم: تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ایک بدکار، بدمعاش اور آوارہ آدمی ہوں ۔ اور تم سے میل ملاپ کے قابل نہیں ہوں ۔

نادرہ: (زور سے ہنستے ہوئے) تمہیں یہ غلط فہمی کب سے ہوگئی ، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں صرف ان لوگوں کو پسند کرتی ہوں جنہیں دنیا بدکار، بدمعاش اور آوارہ کہتی ہے ۔اگر تم میں اس قسم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے تو پھر تمہارے لئے میرے پاس واقعی کوئی مقام نہیں۔

حاتم: تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلی ہی ملاقات میں تم نے یہ سمجھ لیا کہ میں ایک بدکار آدمی ہوں ؟

نادرہ: بالکل ۔

حاتم: اور تمہیں یہ یقین ہوگیا کہ میں ایک بدمعاش اور آوارہ آدمی ہوں ۔

نادرہ: ہاں، پورا یقین ۔

حاتم: اور اسی لئے تم مجھے پسند کرتی ہو؟

نادرہ: ہاں، ہاں، بالکل ۔

حاتم: تو گویا میں ـــــ

نادرہ: جھجکتے کیوں ہو صاف صاف کہدو کہ تم وہی ہو جو میں سمجھتی ہوں بدمعاش ، بدکار، آوارہ، فریبی، لٹیرے (زور سے ہنستی ہے، پھر معنی خیز انداز

میں) واقعی تم تو گرو ہو گرو۔

حاتم: لیکن یقین مانو، مجھ میں یہ ساری برائیاں اس لئے ہیں کہ وہ تمہیں پسند ہیں ورنہ----

نادرہ: (طنزاً) ورنہ تم تو اصل میں ایک بہت ہی شریف آدمی ہو---- لیکن مجھے شریف اور نیک آدمیوں سے ایک گھن سی آتی ہے۔ (ہنستی ہے) دیکھو تم نے میرے لئے اپنی ڈھیر سی دولت لٹادی۔ اپنی جوانی کے دو قیمتی سال بے مقصد ضائع کر دیئے۔ لیکن---- لیکن ابھی تک تم میرے قریب نہ آسکے۔ اور جب بھی تمہاری پیاس بڑھ گئی میں نے تمہیں شراب پلادی۔ (پھر ہنس دیتی ہے) سچ سچ بتاؤ تم نے پہلے کسی عورت سے محبت کی ہے؟

حاتم: محبت؟ کسی اور سے؟ کبھی نہیں۔

نادرہ: کبھی نہیں؟ (ہنستے ہوئے) کتنا صاف جھوٹ کہتے ہو--- جھوٹ مجھے بہت پسند ہے---- لیکن تم یہ جانتے ہو کہ اگر تم نے پہلے کسی عورت سے محبت نہیں کی ہے اور اسے دھوکہ نہیں دیا ہے تو تم میری محبت کے قابل نہیں ہو۔ لیکن مجھے معلوم ہے تم جھوٹے ہو اسی لئے میں تمہیں پسند کرتی ہوں اور بہت پسند کرتی ہوں۔

حاتم: (خوش ہو کر) نادرہ، جب تم مجھے اتنا پسند کرتی ہو تو تم اپنے دل کی بات مجھے کیوں نہیں بتادیتیں۔

نادرہ: ضرور بتادونگی۔

حاتم: لیکن کب۔ صدیاں بیت گئیں۔ دیکھو اگر آج تم نے میری بات

کا صاف صاف جواب نہیں دیا تو میں زندگی بھر پھر کبھی تمہاری دہلیز پر قدم نہیں رکھونگا---- ملک بھر میں پھیلے ہوئے میرے لاکھوں کے کاروبار کو میں نے تباہ کر دیا صرف اس لئے کہ مجھے صرف تمہاری دھن ہے، میں تمہارا دیوانہ ہوں---- مہینوں گھر بار چھوڑ کر میں تمہاری دہلیز پر پڑا رہا۔ صرف اس لئے، صرف اس لئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ لیکن لیکن ہر وقت تم نے مجھے ہنس کر ٹال دیا۔

نادرہ: (زور سے ہنسنے لگتی ہے) تم نے سب کچھ کیا لیکن پھر بھی ایک کسر رہ گئی، اور وہ یہ ہے کہ تم نے مجھ سے پہلے کسی عورت سے محبت نہیں کی۔ تم جانتے ہو، میری محبت جیتنے کے لئے یہ پہلی شرط ہے۔

حاتم: اگر تمہاری یہی شرط ہے تو سنو، میں نے---- میں نے---- خیر یہ سب مجھے فضول باتیں لگتی ہیں۔

نادرہ: (اس کی بات کا لطف لیتے ہوئے) مرد کی فضول باتوں ہی سے تو عورت کا دل بہلتا ہے---- تم کہتے کہتے کیوں رک گئے، صاف صاف کہہ دو کہ ایک نہیں، کئی عورتوں سے تم نے محبت کی ہے۔ اور ان سب نے بے وفائی کی ہے۔ اور میری محبت جیتنے کے لئے تم ان ساری خوش نصیب عورتوں کے محبت بھرے خطوط صداقت ناموں کی طرح میرے سامنے پیش کر سکتے ہو---- اگر ایسی بات ہے تو یقین مانو تم سے بڑھ کر میں اور کسی کو نہیں چاہ سکتی۔

حاتم: (زچ ہو کر) تم ایسا ہی سمجھ لو۔ تم جو چاہو سمجھ لو۔ لیکن مجھے آج اور

ابھی صاف صاف جواب دو۔

نادرہ: (ہنستے ہوئے) مرد کی جلدبازی اس کی ناسمجھی کا ثبوت ہوتی ہے ---- ذرا صبر و اطمینان کے ساتھ بات کرو اس طرح جھٹ خفا ہو جانا تو دراصل عورتوں کی خصلت ہوتی ہے ---- تم کو جواب چاہیے تو سنو، تمہارا جواب تھوڑی ہی دیر میں تم کو خود تمہاری زبان سے مل جائے گا۔

حاتم: مجھے اتنا بے وقوف نہ سمجھو نادرہ کہ میں تمہاری ان بے معنی باتوں سے بہل جاونگا۔ مجھے سمجھنے میں تم نے بہت غلطی کی ہے۔

نادرہ: عورت کی خیریت اسی میں ہے کہ وہ کسی مرد کو صحیح سمجھنے کی کوشش نہ کرے۔

حاتم: خیر تمہارے جی میں جو آئے کہو ---- میں جارہا ہوں ---- پھر شاید کبھی تم کو اپنی صورت نہیں دکھاوں گا ---- بس میں تمہاری سالگرہ پر تمہارے لئے یہ تحفہ لے آیا تھا۔ پسند ہو تو قبول کرلو۔ میں اب چلتا ہوں۔

نادرہ: بس اتنی سی بات پر روٹھ گئے ---- بھئی تمہارا تحفہ تو دیکھوں ---- (خوشی کا اظہار کرتے ہوئے) اوہ۔ یہ تو بہت قیمتی اور خوبصورت ہار ہے۔ پچاس ساٹھ ہزار کا تو ہوگا ہی۔ شاید میری دوستی کی تم یہ آخری قیمت ادا کررہے ہو۔ لو مجھے قبول ہے تمہارا تحفہ۔ لیکن کچھ دیر تو ٹھہر جاو۔ آج کی پارٹی میں تم نہ رہو تو کیا مزہ آئے گا۔

حاتم: نہیں نادرہ، مجھے یہاں وحشت سی ہو رہی ہے۔

نادرہ: وحشت کیسی؟ میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔

حاتم: اوہ نادرہ، نادرہ تم، اپنی بات صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں ----- میرے دل کی آواز سنو نادرہ --- یہ ہار تو ایک حقیر سا تحفہ ہے - چاہو تو یہ دل، یہ جان یہ ساری زندگی تمہارے قدموں پر نچھاور کر دوں -

نادرہ: (زور سے ہنستے ہوئے) کیسی مجنونوں کی سی باتیں کر رہے ہو ----- دل، جان، زندگی ----- یہ تحفے میری ہر سالگرہ پر ہر شخص پیش کرتا ہے ----- لیکن مجھے ایسے تحفوں سے کوئی دلچسپی نہیں - کوئی نئی بات کرو، نئی بات ---- اتنے موڈرن آدمی ہو کر اتنا پرانا عشق کرتے ہو - تم بھی عجیب آدمی ہو ---- شاید تمہاری انہی باتوں کی وجہ سے تم کو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا.

حاتم: (خوش ہو کر) سچ کہتی ہو؟

نادرہ: دل کی بات کہہ رہی ہوں ---- اگر واقعی تمہیں وحشت ہو رہی ہے تو دل کی ساری ڈھکی چھپی باتیں بتا دوں .

حاتم. (نادرہ کے جیسے قریب جاتے ہوئے - جذباتی انداز میں) بتا دو نادرہ بتا دو مجھ سے کوئی بات نہ چھپاو

نادرہ: (اس سے جیسے دور ہوتے ہوئے) اس طرح نہیں ---- اب تو سالگرہ کے دوسرے مہمان آتے ہی ہوں گے اور پھر ایسے روکھے پھیکے موڈ میں تو دل کی کوئی بات زبان پر ٹھیک سے جمتی ہی نہیں -

حاتم: لیکن تم یہ اتنے سارے لوگوں کو کیوں بلاتی ہو - مجھے یہ بات پسند نہیں -

نادرہ: مجھے زندگی میں یک رنگی پسند نہیں ۔ جی چاہتا ہے میری زندگی میں ہر رنگ شامل ہو جائے ---- (کچھ کھوئے کھوئے انداز میں) قسم قسم کے حادثے ہوتے رہیں ۔ قسم قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہوتی رہیں ۔ ہر پل ایک نیا واقعہ پیش آئے ۔ ہر گھڑی ایک نیا تصور ہر گھڑی ایک نیا خواب ۔ مجھے بھی تو کبھی بڑی وحشت سی ہوتی ہے ---- (سنبھل کر) آؤ ۔ ادھر چلیں ۔ میں نے آج کی پارٹی کے لئے اچھی سی اچھی شراب منگوائی ہے --- (جیسے آگے بڑھ رہی ہو) آؤ ۔

حاتم: لیکن نادرہ ذرا سنو تو ----

نادرہ: (بات کاٹ کر) اب چپ بھی رہو ۔ آؤ میرے ساتھ ۔

(ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے ۔ رسیور اٹھا کر)

ہلو سکریٹری --- کہو ---- کون ہے ؟ ہوں ؟ کون آیا ہے ؟ اوہ کبیر چند کبیر ---- انھیں اندر بھیج دو ۔

حاتم: کون آیا ہے ؟ کبیر ؟ وہ تمہارا شاعر ؟ نہیں معلوم کیسے کیسے لوگ تمہارے پاس چلے آتے ہیں سچ مانو ان شاعروں سے تو مجھے گھن آتی ہے ۔

نادرہ: (ہنستے ہوئے) ارے وہ بھی کچھ ایسی ہی بات تمہارے بارے میں کہتا ہے ---- اسی لئے میں تم لوگوں کی باتیں بڑی دلچسپی سے سنتی ہوں ۔ وہ ایک بڑا شاعر ۔ تم ایک بڑے بزنس مین ۔ واہ کیا ورائیٹی ہے ۔

حاتم: لیکن ان شاعروں سے تمہارا کیا تعلق ؟

نادرہ: وہی جو تم سے ہے ---- جانتے ہو آج وہ ضرور میری تعریف میں

ایک خوبصورت نظم یا گیت لکھ کر لائے گا۔ خدا جانے وہ مجھے کیا سمجھتا ہے۔ مجھ سے کہتا ہے تم ہی دراصل میرے فن کی جان ہو، روح ہو۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اور پھر وہ اپنی نظم سنانا شروع کر دیتا ہے۔۔۔۔

حاتم: تو ٹھیک ہے، نادرہ تم اس کی نظم سن لینا۔ میں تو چلا۔

نادرہ: ارے کہاں؟۔

حاتم: اوپر ٹیرس پر بیٹھ کر تمہارا انتظار کروں گا۔ (چلا جاتا ہے)

نادرہ: اچھا تو تم چلو۔ میں سب کو وہیں لے آتی ہوں۔

(کبیر آتا ہے۔ اس کی گفتگو کا انداز بہت ہی دلچسپ ہے۔۔۔ آتے ہی۔)

کبیر: نادرہ۔ سنو یہ تازہ بہ تازہ شعر تمہاری نذر۔۔۔۔

ہم تو جیتے ہیں تمہاری خاطر
تم جو چاہو تو کہو ۔۔۔ مرجائیں

نادرہ: بھئی واہ کبیر صاحب۔ آج میری سالگرہ کے مبارک موقع پر یہ مرنے کی بات کیسے چھیڑ دی آپ نے؟

کبیر: تم نہیں جانتیں۔ ہم شاعروں کے لئے یہ مبارک لمحات ہی تو زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔۔۔ سنو۔۔۔

جی رہے ہیں مر مر کے، ہم سے پوچھتے کیا ہو
موت نے بتایا ہے، رازِ زندگی کیا ہے

نادرہ: (تالیاں بجاتے ہوئے) واہ، واہ، واہ، کیا کہنے۔ آج تو آتے ہی آتے آپ نے شاعری کے پٹاخے چھوڑنے شروع کر دئے۔

کبیر: بھئی تمہیں دیکھتے ہی خدا جانے کیوں مجھ پر شاعری کا دوہرہ، تہرہ، موڈ سوار ہو جاتا ہے۔ بس جی چاہتا ہے میں شعر کہتا جاوں اور تم سنتی جاو--- اگر اس طرح تم چپ چاپ میرے اشعار سنتی چلی جاو تو یقین مانو گھنٹے دو گھنٹے میں میرا ایک نیا دیوان تیار ہو جائے۔

نادرہ: تو آج آپ پورا دیوان سنانے کی تیاری کر آئے ہیں؟

کبیر (نادرہ کے قریب جانے کے انداز میں) دیوان سنانے ہنیں آیا ہوں تمہاری نذر کرنے آیا ہوں۔ دیکھو یہ میرا حقیر تحفہ۔ قبول کرلو تو سمجھوں گا میری ساری زندگی کام آگئی۔

نادرہ: اوہو۔ تو آپ کا نیا دیوان چھپ گیا---- مبارک۔

کبیر: مجھے مبارک باد دینے سے پہلے ذرا اپنے ان خوبصورت ہاتھوں سے یہ کتاب کھول کر دیکھو کہ دراصل کون مبارک باد کے قابل ہے۔

نادرہ: (بڑی ہی حیرت سے) جی! یہ کیا؟ آپ نے اپنا دیوان میرے نام سے چھپوایا۔ یعنی میں، گھڑی بھر میں شاعرہ بن گئی۔

کبیر: گھڑی بھر میں ہنیں جناب۔ آپ کو شاعرہ بنانے میں، ہماری ساری عمر بیت گئی--- ہائے

نادرہ: لیکن اس کی ضرورت کیا تھی؟ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے، مجھ پر ہنسیں گے کہ میں بھی شاعرہ بن گئی ہائے، مار ڈالا آپ نے۔

کبیر: تم تو خود ایک ایسا حسین شعر ہو کہ لوگ اسے صرف گنگناتے گنگناتے ہی شاعر بن جاتے ہیں۔ تم کو پیدا کر کے تو خدا نے دراصل خود اپنے

شاعر ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

نادرہ: لیکن اس طرح میں شاعرہ کیسے بن سکتی ہوں۔؟

کبیر: جس طرح تم نے مجھے شاعر بنا دیا--- میں نے تمہیں صرف اس لئے شاعرہ بنایا ہے کہ مجھے ایک شاعرہ ساتھی کی ضرورت ہے۔

نادرہ: اوہ، میں سمجھی۔ شاعر صاحب بھلا اس بات کے لئے اتنی انتھک محنت و مشقت کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے دو اچھے شعر ہی سنا دیتے تو میں بخوشی----

کبیر: (خوش ہو کر، اس کی بات کاٹتے ہوئے)۔ تو بخوشی تم میری ہو جاتیں۔ ہے نا یہی بات؟ تو تمہیں میرا یہ تحفہ قبول ہے--- دیکھو نادرہ۔ دیکھو۔ لاؤ وہ دیوان، میں تم کو کچھ پڑھ کر سناؤں۔ دیکھو نادرہ۔ تم نے کتنی حسین نظمیں لکھی ہیں۔ کتنے پیارے گیت لکھے ہیں------

نادرہ: معاف فرمائیے کبیر صاحب، یہ آپ میری تعریف کر رہے ہیں یا اپنی--؟

کبیر: (کچھ چونک کر) کیا کہا۔؟ ارے بھئی تعریف تمہاری ہو یا میری۔ ایک ہی تو بات ہے، (کچھ جذباتی انداز میں) لیکن نادرہ، ہم کو تو اب قتل کر ہی ڈالو۔ آخر یونہی کب تک؟

نادرہ: (بناوٹی انداز میں) ہاں کب تک؟ میں بھی سوچ رہی ہوں کب تک۔ آخر کب تک؟ بھئی کبیر صاحب، آپ ہی ایک لمبی چوڑی نظم لکھ ڈالئیے نا اس نظم کا عنوان ہوگا----"کب تک"

کبیر: (کچھ لہجہ بدل کر) آج پھر باتیں بنانے لگیں تم۔

نادرہ: باتیں بنانے کا ہی تو نام شاعری ہے کبیر صاحب۔

کبیر: (کچھ چڑ کر) اب چھوڑو اس شاعری کی بات کو۔

نادرہ: بھئی خوب چیز ہوتے ہیں یہ شاعر بھی۔ ایک تو مجھ سے بنا پوچھے آپ نے مجھے شاعر بنا دیا اور اس پر کہتے ہیں میں شاعری کی بات نہ کروں۔

کبیر: شاعری سے ہٹ کر بھی تو بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں، نادرہ۔

نادرہ: ہاں، مگر ان باتوں میں ہمارے لئے کیا مزہ ہے؟ پھر بھی ایک بات ضرور کہوں گی کہ شاعر لوگ جب شاعری سے ہٹ کر کوئی دوسری بات کرتے ہیں تو واقعی بڑے دلچسپ ہو جاتے ہیں۔

کبیر: (ذرا قربت کے انداز میں) سچ کہتی ہو؟ تو لو آج سے تمہاری دلچسپی کی خاطر شاعری چھوڑ دیتا ہوں۔

نادرہ: ارے توبہ۔ یہ کیا غضب کر رہے ہیں آپ؟ آپ کی شاعری تو ہم دونوں کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔

کبیر: اُفوہ نادرہ، نہ تم شاعری ہی کرنے دیتی ہو اور نہ ----

نادرہ: نہ محبت ---- ہے نا؟ اب آئیے میرے ساتھ۔ اوپر ٹیرس پر چلیں۔ پارٹی کا انتظام اوپر ہے۔ میں نے آج کی پارٹی کے لئے بڑی ہی عمدہ قسم کی شراب منگوائی ہے ---- شراب پیجئے اور شاعری کیجئے، شاعری کیجئے اور محبت کیجئے ---- چلئے وہاں چلیں۔

کبیر: لیکن ذرا سنو تو نادرہ ----

نادرہ: وہیں چل کر سنوں گی۔ آئیے۔ (جانے کو ہوتی ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔ رسیور اٹھا کر)۔ ہلو سکریٹری، ہاں ـــــ کون؟ کون آیا ہے؟ اوہ جاگیردار صاحب! انھیں فوراً اوپر بھیج دو ـــ کیا کہا ـــ؟ کوئی اور بھی آیا ہے؟۔ کون ہے؟ اوہ نیتا سکھ لال بھی آ گئے۔ دونوں کو بھیج دو۔ (رسیور رکھ کر) لو، اور مہمان بھی آ گئے۔

کبیر: بھئی تم نے تو اس مقام کو اچھا خاصہ چڑیا گھر بنا دیا ہے۔ جانے کتنے عجیب عجیب قسم کے لوگ چلے آتے ہیں یہ جاگیردار صاحب تو وہی ہیں نا جنہوں نے اپنی پوری جاگیر شراب کے جام میں ڈبو دی۔ اور نیتا سکھ لال جو دیش کی اور ساری جنتا کی دھول جھاڑتے پھرتے ہیں۔

نادرہ: جی ہاں۔ وہی۔ اتنے سارے رنگ ہوں تو زندگی بنتی ہے کبیر صاحب

کبیر: لیکن اِن گھسے پِٹے جاگیرداروں سے اور اس نئی مخلوق، یعنی سیاسی لیڈروں سے تمہارا کیا میل۔ میں تو چلا ٹیرس پر۔ وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔

نادرہ: تو آپ چلئے، میں ابھی آتی ہوں ـــ (کبیر چلا جاتا ہے ـــ نادرہ آنے والوں کا استقبال کرتے ہوئے) آئیے، آئیے جاگیردار صاحب ـــ آئیے سکھ لال جی۔ خوب وقت پر آئے آپ دونوں۔ کیوں جاگیردار صاحب کیا حال ہیں؟۔

جاگیردار: ہو ہو ـــ نادرہ، آج کا دن بھی کیا دن ہے۔ دیکھو یہ بوتل دیکھ رہی ہو نا، بس صبح ہی سے تمہاری پارٹی کی تیاری میں مصروف ہوں

نیتاجی: لیکن جاگیردار ابھی تک تیار نہیں ہوسکے۔

نادرہ: وہ تو جاگیردار صاحب کا حلیہ ہی بتا رہا ہے۔

جاگیردار: جانتی ہو اس کی کیا وجہ ہے نادرہ--- بھئی گھر سے تو خوب تیار ہو کر چلا تھا لیکن راستے میں جب یہ سیاست کے ٹھیکے دار مل گئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی تمہاری پارٹی میں آرہے ہیں تو ایک دم پورا نشہ کافور ہوگیا۔ لیکن اب پھر وہی نشہ لوٹ رہا ہے۔ وہی نشہ ۔ یہ بوتل دیکھتی ہو نا، یہ بڑی ہی اونچی ذات سے تعلق رکھتی ہے---

نادرہ: ایسی بات ہے تو ہمارے نیتاجی کو بھی چکھائیے نا۔

جاگیردار: ارے ہم کیا چکھائیں ان کو۔ اب تو ان کو چاہیے کہ یہ ہم کو چکھائیں، اعلیٰ سے اعلیٰ شراب، کیوں سکھ لال جی؟۔

نیتا: ہاں ۔ ضرور ۔ ضرور

جاگیردار: مگر نیتاجی ۔ ایک بات کہیں آپ سے ۔؟ اس بار تو ہم بھی الیکشن لڑنے والے ہیں ۔ ہماری پارٹی کا نشان ہوگا----

نادرہ: "بوتل" (شگفتہ لہجے میں کہہ دیتی ہے اور ہنسنے لگتی ہے)۔

نیتا: (زور سے ہنستے ہوئے) واہ، بوتل زندہ باد۔

جاگیردار: ارے ہنستے کیوں ہو۔ یہ سچ ہے، ہماری پارٹی کا نشان بوتل ہی ہوگا، اس لئے کہ ہم کو یقین ہے کہ دیش میں جتنے شرابی ہیں سب بوتل ہی کو ووٹ دیں گے ۔ تب ہم ہی حکومت بھی بنائیں گے کیونکہ دیش میں ہماری Majority ہے۔

نادرہ اور نیتا: (دونوں ہنسنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں) ۔کیا بڑھیا پلان بنایا ہے نواب صاحب نے، واہ، لیکن نواب صاحب زمانہ بہت بدل گیا ہے ۔

جاگیردار: (الفاظ پر زور دیتے ہوئے) غلط--- بالکل غلط، زمانہ نہیں بدلا یارو--- بتاؤ کہاں بدلا ہے ۔سب کچھ وہی ہے---- ایک شعر سنو----

مے وہی ، رات وہی ، رات کی ہر بات وہی
ہاں نظر آتے ہیں بدلے ہوئے کچھ پیمانے

نیتا= واہ، واہ، شعر خوب ہے، لیکن ۔ ذرا نادرہ ہی کو دیکھ لیجئے--- یہ ہیں نئی زندگی کے پیمانے ۔کتنی تیزی سے بدل رہی ہے زندگی ۔

جاگیردار= نہیں میرے یارو ۔زندگی کہاں بدل رہی ہے ۔ اصل میں ہماری نظر بدل رہی ہے--- خیر چھوڑ و اس بات کو ۔بدلے بھی تو پیمانہ ، نہ بدلے بھی تو پیمانہ ، --- چلو صاحبو چلو ————— اس پری زاد کی باتیں کریں ۔چلو۔

نادرہ : ہاں چلئے ۔ اوپر ٹیرس پر ، اور مہمان ہمارا وہاں انتظار کر رہے ہیں ۔

نیتا= لیکن نادرہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے ۔

نادرہ= کہئے سکھ لال جی ۔

نیتا= نہیں اس طرح نہیں ۔

نادرہ = تو پھر اور کس طرح کہتے ہیں آپ ۔کیا یہاں بھی تقریر کا موڈ سوار ہو گیا۔

جاگیردار= (کچھ بلند آواز سے) ارے ہاں واقعی مجھے بھی ڈر ہو رہا ہے۔ یہ اپنا بھاشن شروع نہ کردیں، چلو بھاگو۔۔ بھاگو۔۔۔۔ اس بھاشن سے بھاگو۔۔ کہاں ہے، میری بوتل رانی اس غمی اور دوسری سکھیاں۔ہم تو چلے ان کی جھرمٹ میں۔۔۔ (جاتے ہوئے گانے لگتا ہے) ہے وہی، رات وہی، رات کی ہر بات وہی، (چلا جاتا ہے)

نیتا= دیکھو نادرہ، مجھے آج تم سے ایک بہت ہی اہم بات کہنی ہے۔

نادرہ= فرمائیے۔

نیتا= بات یہ ہے نادرہ کہ تمہاری اجازت لئے بنا ہی میں نے تمہارے نام سے دو ہزار روپیوں کا چندہ مہیلا سماج سدھار منڈل کے لیے دے دیا ہے۔

نادرہ= (بے حد تعجب سے) میرے نام سے دو ہزار کا چندہ دے دیا آپ نے؟ لیکن کیوں؟

نیتا= وہ سب کچھ تم سمجھ جاوگی، نادرہ لیکن تم ناراض تو نہیں ہوئیں نا؟

نادرہ= میں اور بھلا آپ سے ناراض ہو جاوں؟ کیا کہتے ہیں آپ؟

نیتا= تو گویا تم نے اس بات کو پسند کرلیا۔ تو سنو۔ کل مہیلا سمیلن میں تم کو تقریر کرنا ہے۔

نادرہ= (حیرت سے تقریباً چیخ پڑتی ہے) میں اور سمیلن میں تقریر!! کیا فرماتے ہیں آپ؟

نیتا= یہ کوئی بڑی بات نہیں نادرہ۔ تم جیسی ہستیوں پر ہی تو ہمارے سماج کی ترقی کا دارومدار ہے۔ تم کو اب میرے ساتھ لیڈر بن جانا چاہیے۔۔۔

یقین کرو تم میرے ساتھ ہوجاؤ تو دو دن میں ہم، سارے سماج کو بدل کر رکھدیں گے۔

نادرہ= میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں۔

نیتا= (خوش ہوکر) سچ کہتی ہو؟ تو آؤ نادرہ میرے ساتھ یہیں کچھ دیر بیٹھو کچھ اپنی بھی باتیں ہوجائیں۔

نادرہ= اپنی باتیں تو ہمیشہ ہی ہوتی رہتی ہیں، نیتاجی۔ چلئے اوپر سب ہمارا انتظار کررہے ہیں۔

نیتا= بھئی ان لوگوں کے ساتھ ہماری نہیں بن سکتی۔ چھوڑو ان لوگوں کا ساتھ، ہم تو ایک نئی زندگی بنانے جارہے ہیں

نادرہ= نئی زندگی --- ہاں نئی زندگی۔ نیتاجی اسی موضوع پر ایک تقریر لکھ دیجئے نا، کل سمیلن میں میں پڑھ لونگی۔

نیتا= ہاں، تقریر تو میں لکھ دوں گا۔ لیکن ---

نادرہ= لیکن کیا؟

نیتا= بھئی تقریر کو مارو گولی۔ اس وقت تو کچھ اپنی باتیں ہوجائیں۔ آؤ۔

نادرہ= نہیں نیتاجی۔ سماج کی بھلائی پہلے، تب آپ اور ہم۔ آئیے۔ اوپر چلیں --- (ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے رسیور اٹھاکر)۔ ہلو۔ کون؟ --- کون آیا ہے سکریٹری؟۔ کیا کہا --؟ کون؟ --- اوہو! (ذرا سوچکر) اچھا ٹھیک ہے انھیں بھیج دو --(رسیور رکھ کر) نیتاجی، آپ اوپر چلے جائیے۔ ابھی۔

نیتا= کیوں کون آیا ہے؟

نادرہ = ایک بن بلائے مہمان آگئے ہیں (سنجیدہ ہو کر) اچھا آپ تو چلے جائیے اُوپر۔ میں انھیں یہیں چلتا کر دونگی، ورنہ ساری پارٹی کا مزہ کرِ کرا ہو جائے گا۔

نیتا = بھئی ایسا کون آیا ہے۔ وہیں سے واپس کر دو نا۔

نادرہ = (اسی سنجیدہ انداز میں) ہنیں آپ ہنیں جانتے۔ میں آج ان سے مل ہی لینا چاہتی ہوں۔ آپ جلدی سے اوپر چلے جائیے --- جائیے نا ---

(نیتا جی چلے جاتے ہیں مسز فیاض آتی ہے)۔ اوہو مسز فیاض! آپ اور اس ناچیز کے گھر تشریف لائیں۔ بڑی مہربانی آپ کی۔

مسز فیاض = دیکھو مسز رئیس۔ مجھے آج غلط نہ سمجھو۔

نادرہ = میں کہاں غلط سمجھ رہی ہوں آپ کو۔ بھئی خوشی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ کر واہ، یہ دلکش لباس۔ یہ تراش خراش۔ اور آج بھی وہی ڈھکا چھپا شباب۔

مسز فیاض = دیکھو مسز رئیس۔ یوں زہر کے تیر مت چلاو مجھ پر۔ مجھے معاف کرنا آج تمہارے گھر میں بن بلائی چلی آئی ہوں۔ لیکن یقین کرو میرا یہاں آنا بہت ضروری تھا۔

نادرہ = کیوں خیریت تو ہے؟ بندی تو ہر وقت آپ کی خدمت کے لئے تیار ہے۔ ادھر بیٹھئے نا۔

مسز فیاض = بیٹھ جاوں گی، لیکن --- لیکن میرے پاس وقت بہت کم ہے۔

نادرہ = آپ اتنی پریشان کیوں ہیں۔ آرام سے بیٹھئے۔

مسز فیاض = (غم زدہ لہجے میں) آرام! آرام تو اسی دن ختم ہو گیا جس دن مسٹر فیاض اور مسٹر رئیس، ہم دونوں کو اس دنیا میں چھوڑ کر چلے گئے۔ (رو دیتی ہے) ۔ میں دراصل آخری بار تم سے معافی مانگنے آئی ہوں ۔ تم مجھے معاف کر دو بہن ۔ ورنہ میں جی نہیں سکتی ۔ تم بھی تو مجھے، تمہارے شوہر، مسٹر رئیس کی خونی سمجھتی ہو ۔ نہیں ، اب اور زیادہ میں اس ذلت کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی ۔

نادرہ = (جیسے اس کے قریب جاتی ہے) لیکن اس طرح روتی کیوں ہیں آپ؟ مجھے دیکھئے، میں بھی تو جی رہی ہوں آج مجھے زندگی کی ہر آسائش، اور ہر عیش میسر ہے ۔ ہماری اونچی سوسائٹی کا ہر نام ور شخص آج میرے قدم چومنے کے لئے تیار ہے ۔

مسز فیاض = بہن ۔ تم کو تمہاری یہ زندگی مبارک ۔ مجھے غلط نہ سمجھو ۔ خدا کے لئے میری باتوں پر یقین کرو آج میرے دل سے تمہارے لئے دعا نکل رہی ہے ۔ تم زندگی بھر خوش رہو ۔

نادرہ = (طنزاً) خوشی! (زور سے ہنس دیتی ہے) ۔ مسز فیاض آج میں بہت خوش ہوں ۔ جی چاہتا ہے آج خوب عیش کروں ۔ اتنی شراب پیئوں کہ مجھے یہ بھی یاد نہ رہے کہ میں زندہ ہوں --- مسز فیاض تم یہ سمجھتی ہو کہ میں نے وہ دن بھلا دیئے؟ ایسا نہیں ہے، مجھے ایک ایک بات یاد ہے، اس زمانے کی ایک ایک گھڑی میرے دل میں دھڑکتی رہتی ہے اسی لئے میں آج بہت خوش ہوں --- (ہنستی ہے)

مسز فیاض = لیکن مسز رئیس - خدا کے لئے مجھے وہ دن یاد نہ دلاو - میرے پاس وقت بہت کم ہے - بس اتنا کہدو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا اور کہدو کہ تمہاری نظر میں میں خونی نہیں ہوں بلکہ ایک مظلوم عورت ہوں جس کا دنیا میں کوئی نہیں -

نادرہ = مسز فیاض، آج تم مجھ سے خفا لگتی ہو؟ میں نے تو اس دنیا کو اسی دن معاف کر دیا جس دن میری نئی زندگی کا جنم ہوا تھا - یہ عیش و شہرت سے بھرپور زندگی کا - جانتی ہو ساری دنیا آج کے دن کو میرا جنم دن سمجھتی ہے - آج ہی کا دن تھا جب مسٹر رئیس، میرا جیون ساتھی، میرا سرتاج، میرا شرابی مجھے اس دنیا میں اکیلا چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلا گیا تھا --- (کچھ ڈوبے لہجے میں) میرے ساتھی کی موت کا دن میرا جنم دن بن گیا --- کیا مزے کی بات ہے --- آج لوگ مجھے حسین سے حسین تحفے دیتے ہیں اور میں ان کو قیمتی سے قیمتی شراب پلاتی ہوں --- شراب پئیں گی آپ مسز فیاض؟

مسز فیاض = (دکھ بھرے لہجے میں) مجھے معاف کر دو بہن - ایسی باتیں کر کے میرے دل کو اور کچوکے مت لگاو - میں برداشت نہیں کر سکتی - میں مر جاوں گی -

نادرہ = (طنزاً ہنستے ہوئے) مر جاوگی؟ (اور ہنستی ہے) دیکھو مسز ریحانہ فیاض - مرنا بہت مشکل ہے - تم آج میری باتیں برداشت نہیں کر سکتیں، لیکن میں نے سب کچھ برداشت کیا ہے -

مسز فیاض = خدا کے لئے ان باتوں کو نہ دہراو - مسز رئیس - مجھ پر رحم

کرو ۔ مجھے وحشت ہو رہی ہے ۔

نادرہ = وحشت ہو رہی ہے ؟ آج تو مجھے بھی بڑی وحشت ہو رہی ہے ۔
(ٹیرس سے ان سارے مردوں کے قہقہوں کی آواز آتی ہے) سنتی ہیں آپ ؟ یہ مردوں کے قہقہے کس قدر لذیذ ہیں ----- ان ہی مدہوش قہقہوں میں میری زندگی جھومتی جھامتی گذرتی ہے مسز فیاض --- ان میں سے ہر ایک مجھے دنیا کی حسین ترین عورت سمجھتا ہے ۔ ہونہہ --- اور وہ پاگل ، شرابی رئیس جو مرگیا کہتا تھا ، " نادرہ ، تم حسین ہو ، لیکن تمہارے حسن میں رعنائی نہیں ۔ تمہاری جوانی میں زندگی کا نشہ نہیں ۔ نادرہ تم صرف ایک بیوی ہو ---- عورت نہیں " ۔ (زور سے ہنس دیتی ہے)

مسز فیاض = میں ، تمہارے پیر پڑتی ہوں ۔ ان دِنوں کا ذکر نہ کرو ۔ مجھے ایسا لگتا ہے ، آج تم مجھ سے انتقام لینا چاہتی ہو ۔

نادرہ = انتقام ! (زور سے ہنستی ہے) میں تم سے کس بات کا انتقام لوں گی ، تم نے میرا کیا بگاڑا ہے ؟ مسٹر رئیس کا خون تم نے نہیں کیا ۔ ان کا خون تو کیا مسٹر فیاض نے ۔ وہ بھی زندہ ہوتے تو میں ان سے کوئی انتقام نہیں لیتی ۔ لیکن اس بیچارے نے بھی خودکشی کرلی ۔ جانے یہ مردوں کی ذات کیسی ہوتی ہے ۔ صرف ایک عورت کی خاطر اپنے دوست کو بھی زہر دے دیا اور خود بھی جام چڑھا گئے ۔ آج ہی کا تو دن تھا ۔ کتنا حسین ہے یہ دن !

مسز فیاض = (زور سے چیخ مار کر جیسے نادرہ کے پیروں پر گر جاتی ہے) بہن نادرہ ۔ خدا کے لئے بس کرو ۔ میں اور کچھ سن نہیں سکتی ۔ دیکھو تمہارے

پیروں پر میرا سر ہے، رحم کرو۔ مجھے بھی زہر دے دو تمہارے ہاتھوں سے مجھے زہر مل جائے تو میری روح کو بڑا سکون ملے گا---- میں جانتی ہوں میری ہی وجہ سے، ہاں میرے ہی اندر بیٹھی ہوئی ایک جذباتی عیش پرست عورت نے تمہیں تمہارے مسٹر رئیس کی نظر سے گرا دیا۔ اور اس ترقی یافتہ مہذب انسان مسٹر فیاض کو ہم پر شک ہوگیا۔ اور ایک شک کی بناء پر اس پاگل نے اس پاگل فیاض نے---- نادرہ بہن۔ مجھ پر رحم کرو اور مجھے زہر دے دو۔

نادرہ = آپ کو اور میں زہر دے دوں؟ (ہنستی ہے) آپ کتنی بزدل ہوگئی ہیں۔ کبھی دنیا مجھے بزدل اور ڈرپوک کہتی تھی۔ میں ایک بیوی سے ایک عورت نہ بن سکی۔ ہونہہ۔ رئیس نے کتنی بار کہا تھا " نادرہ! ریحانہ بنو، ریحانہ---- اور وہی ریحانہ آج میرے پیروں پر گر کر مجھ سے زہر مانگتی ہے؟ ریحانہ فیاض، تمہیں زہر کی ضرورت نہیں۔ آو۔ تمہیں آج میری سالگرہ کی لذیذ شراب پلاوں۔ آو۔

مسز فیاض = نہیں---- مسز رئیس تم مجھے معاف نہیں کرتیں نہ سہی مجھے اس زندگی کی طرف نہ لے جاو بہن تمہیں کیسے بتاوں۔ انہی عیش پرست مردوں نے، جو آج تمہاری دہلیز پر سر رگڑتے ہیں، مجھے لوٹا ہے، مجھے برباد کر دیا ہے مجھے ان سے نفرت ہے، مجھے ادھر نہ لے جاو----

نادرہ = تم چلو تو سہی۔ دیکھو جن لوگوں نے تم کو لوٹا ہے، انھیں میں کس طرح لوٹ رہی ہوں۔ آو، تمہارے دل کی آگ وہیں بجھ سکتی ہے۔

(حاتم، شاعر، جاگیردار اور نیتا کے قہقہوں کی آواز آتی ہے جیسے وہ نادرہ کی طرف

آرہے ہیں)

مسزفیاض = (گھبرائے ہوئے) نہیں، مسزرئیس ۔مجھے اجازت دو۔ میں یہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہوں، میں ان کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی ۔

نادرہ = یہاں سے بھاگ کر اور کہاں جاوگی ۔ تمہیں بھاگنے کی ضرورت نہیں --- دیکھو تمہیں یہاں دیکھ کر وہ سب کیسے بھاگتے ہیں ۔ بس دو گھڑی ٹھہر جاو ۔

مسزفیاض: لیکن ----

(اتنے میں وہ سب مرد نشے میں چور نادرہ اور مسزفیاض کے سامنے آجاتے ہیں) ۔

چاروں مرد ایک ساتھ = ہائیں، یہ کیا؟ مسزفیاض!!

نادرہ = کیاآپ لوگ مسزفیاض کو جانتے ہیں؟ ۔

جاگیردار = (ہچکی لے کر) بھئی خوب ۔ وہ ---- نادرہ ---- بھئی آج کا دن بھی خوب دن ہے ---- نادرہ، تم تو اوپرآئی ہی نہیں، اور تمہارے آنے سے پہلے ان بے صبروں، ان بدتمیزوں نے پینا پلانا شروع کردیا ۔ تو یہ ---- (ہچکی لیتا ہے) تم بولو حاتم ۔

حاتم = (نشے میں چُور ہے) بھئی نادرہ ۔ وہ ۔ بات یہ ہے اس جاگیردار کے بچے نے تو اتنی پی لی ہے کہ اب یہ مرجائے گا --- بس مرجائے گا --- میں تو جارہا ہوں ۔ پھر کبھی ---- ہاں؟ پھر کبھی ----

نادرہ = ارے آپ لوگ تو بنا کھانا کھائے ہی چلے جارہے ہیں ----

کیوں شاعر صاحب؟

کبیر = (بہت نشے میں ہے) جی ہاں ۔ مس نادرہ ---- جی ہاں ---- ہم سب اجازت کے طلبگار ہیں ---- (کچھ عجیب سی ہنسی ہنستا ہے)

نیتا = (نشے میں ہے) وہ اصل بات یہ ہے نادرہ ---- یہ سب، وہ کہتے ہیں نا، یہ سب out ہو گئے ہیں؟، out مگر اس شاعر کے بچے نے شراب کے ساتھ اپنی شاعری سنا کر ساری پارٹی کو بور کر دیا ۔ میں تو بس اس کی شاعری سے ڈر کر بھاگ رہا ہوں ---- تم بھی بھاگو ---- بھاگو ----

نادرہ = بھئی اس طرح تو میں آپ لوگوں کو بھاگنے نہیں دوں گی ۔ میری اس مہمان، مسز فیاض کو آپ سب جانتے ہیں ۔ آپ لوگوں کے ساتھ کچھ ان کی بھی تواضع ہو جائے ۔

کبیر = مسز فیاض؟ ۔ ہاں مسز فیاض ---- لیکن ۔ ہاں بات کچھ بگڑی ہے ایسی کہ بنائے نہ بنے ۔ کیوں جاگیردار ---؟

جاگیردار = چپ رہیئے شاعر صاحب ۔ کیا غلط بکتے ہیں آپ ۔ ارے یوں کہئے بن گئی بات کچھ ایسی کہ بگاڑے نہ بنے ۔ کیوں نیتا جی؟ ۔ چلئے آپ کو بھی تو بنے بنائے سماج کو بگاڑنا ہے ---- چلو بھئی چلو ۔ (مسز فیاض سے) مسز فیاض، ہم سب کو اس وقت معاف فرمائیے ۔ دراصل ---- دراصل (ہچکی لیتا ہے) بھئی باقی تم کہدو نیتا جی ۔

نیتا = ہاں ---- ہاں ---- بھئی نادرہ، ہم سب کی طرف سے سالگرہ مبارک ۔

سب ملکر = ہاں --- بھئی سالگرہ مبارک ----- (وہ سب یہی دہراتے ہوئے باہر چلے جاتے ہیں)۔

نادرہ = (ان سب کے چلے جانے کے بعد، یکلخت زور زور سے ہنسنے لگتی ہے ۔ اور ہنستے ہنستے) دیکھا آپ نے مسز فیاض کیسی مبارک باد دے گئے ہیں یہ لوگ ---- (پھر ہنستی ہے) میرا دل خوشی سے پھولے نہیں سماتا ۔ ایسا ہونا چاہیئے نا؟۔

مسز فیاض = مجھ سے کچھ نہ پوچھو مسز رئیس، بس، میں سمجھ گئی ۔ میں اب تم سے کچھ نہیں کہوں گی، کچھ نہیں مانگوں گی ۔ میں جارہی ہوں ۔

نادرہ = تم بھی جارہی ہو؟

مسز فیاض = ہاں مسز رئیس ۔ تمہیں تمہاری زندگی کی ساری خوشیاں مبارک ۔ میں تم سے آج کچھ مانگنے آئی تھی ۔ کیا--- لیکن---- (یکلخت رو پڑتی ہے اور روتے ہوئے باہر چلی جاتی ہے)

نادرہ = ارے ریحانہ ---- ریحانہ ---- مسز فیاض ٹھہرو --- (مسز فیاض چلی جاتی ہے)

نادرہ = سب چلے گئے ---- (کال بل کی آواز، جو بیرے کے لئے بجارہی ہے، ساتھ ہی کچھ بے چینی سے بیرے کو خود بھی آواز دیتی ہے) بیرا --- بیرا ۔

بیرا = (جیسے تیزی سے بھاگا ہوا آتا ہے) ۔ جی حضور ۔ جی حضور ۔

نادرہ = (غصے سے) کہاں مر گئے تھے؟

بیرا= آہی رہا تھا حضور۔ حکم۔

نادرہ= شراب لاو۔

بیرا= لیکن حضور، پارٹی تو-----

نادرہ= (چیخ کر) جاو---- (بیرا چلا جاتا ہے تھکے ہوئے لہجے میں) آہا۔ آج کے تحفے تو دیکھوں۔(دھیرے دھیرے ہنسنے لگتی ہے) کتنا قیمتی ہار ہے یہ! واہ--- اور یہ میری شاعری! ۔اس دیوانے شاعر نے مجھے بھی شاعر بنادیا۔ (زور سے ہنستی ہے) ۔کیوں نہ دو گھڑی آرام کروں ۔اف! (جیسے تھک گئی ہو) ۔ (دو گھڑی خاموشی ۔ دیوار پہ لگی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دیتی ہیں ۔ پھر گھڑی کے گھنٹے سنائی دیتے ہیں ۔ اور کچھ دیر یہ گھنٹے بجتے ہی رہتے ہیں ۔ جب بیرا واپس آتا ہے تو گھنٹے بند ہو جاتے ہیں) ۔

بیرا= (واپس آکر، آہستہ سے) صاحب---- صاحب---- صاحب شراب---- صاحب! (کوئی جواب نہ پاکر) شاید آنکھ لگ گئی ہے شراب وہیں میز پر رکھ کر (واپس چلا جاتا ہے)

(تھوڑی ہی دیر میں ہلکی ہلکی ہواوں کی آواز سنائی دیتی ہے - پھر ہوا کی سائیں سائیں تیز ہو جاتی ہیں ۔ اور تھوڑی ہی دور کسی کے بھاری بھاری قدموں کی آواز سنائی دیتی ہے جیسے کوئی سنبھل سنبھل کر سیڑھیوں پر چڑھ رہا ہے--- ان قدموں کی آواز نادرہ سے قریب ہونے لگتی ہے---- نادرہ چونک کر ---- گھبرائی ہوئی آواز میں) ۔

نادرہ= کون ہے؟----- (کچھ اور گھبرائی ہوئی آواز میں) ۔کون ہے؟

(کوئی جواب نہیں ملتا۔ وہ قدموں کی آواز، اور قریب ہوجاتی ہے ---- وہ گھبراہٹ میں ٹیلیفون کے نمبر گھمانے لگتی ہے نمبر ڈائل کرنے کی آواز)۔ ہلو ---- ہلو ---- (کچھ اونچی آواز میں) ہلو ---- ہلو ---- (جیسے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ اور بلند آواز میں) سکریٹری ---- ہلو ---- سکریٹری --- (قدموں کی آواز جاری ہے --- کال بل بجاتی ہے، کال بل کی مسلسل آواز۔ تب بیرے کو پکارتی ہے۔ گھبراہٹ میں) بیرا ---- بیرا ---- بیرا۔ (اندر سے کوئی جواب نہیں آتا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آکر گزر جاتا ہے۔ وحشت میں) یہ سب کیا ہے؟ یہ کون آرہا ہے ---- یہ کس کے قدموں کی آواز ہے ---- اف (قدموں کی آواز نادرہ کے بہت ہی قریب آگئی ہے۔ وہ چیختی ہے) کون ہے؟ قدموں کی آواز اس کے قریب آکر رک جاتی ہے۔ وحشت زدہ انداز میں زور سے چیخ پڑتی ہے جیسے آنے والے کو دیکھ لیا ہے۔) نہیں --- نہیں ---- آپ ---- آپ رئیس آپ؟

رئیس = (جیسے کچھ دور سے تھکی تھکی آواز میں) ہاں۔ ہاں میں۔ بھلا تو نہیں دیا تم نے؟ (ایک عجیب سی ہنسی کے ساتھ)۔ تم مجھے کس طرح بھلا سکتی ہو؟

نادرہ = (اسی وحشت کے عالم میں) لیکن ---- لیکن آپ تو -----

رئیس = ہاں میں تو مرچکا ہوں ۔ہے نا؟ لیکن مجھے اب تک یقین نہیں ہوسکا کہ میں مرچکا ہوں --- تمہیں معلوم ہے، دنیا سے دور ہوجانے کے بعد دنیا سے محبت اور بڑھ جاتی ہے۔ (ہنسی) آج تمہاری نئی زندگی کی سالگرہ ہے نا؟

بتاؤ تم میری کیا خاطر کرو گی آج ----- ؟

نادرہ = (اسی پریشانی کے عالم میں) لیکن ۔ لیکن آپ تو کسی شدید درد میں مبتلا معلوم ہوتے ہیں ۔ آپکی حالت ----

رئیس = میری حالت ، میرا یہ درد ---- یہ تکلیف اب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔ موت کے بعد درد جتنا شدید ہوتا ہے زندگی اتنی ہی قریب محسوس ہوتی ہے ۔ درد ہی زندگی کی سچی علامت ہے ---- میری فکر نہ کرو ۔ آؤ تھوڑی دیر یہاں ساتھ بیٹھ کر پی لیں ۔ آؤ ----

نادرہ = (جیسے جھجک رہی ہے) لیکن ۔ میں!

رئیس = تم مجھ سے ڈر رہی ہو ------ اچھا نہ آؤ ۔ ہم خود ہی پی لیں گے ۔ دیکھو میرے پاس یہ شراب کی بوتل ہے ۔ تم نے تو ہمیشہ شراب سے نفرت کی ہے ، زندگی سے نفرت کی ہے ---- تم تو ایک پچھڑی ہوئی عورت تھیں ، جس سے مجھے نفرت تھی ۔ کاش ----

نادرہ = (چیختے ہوئے) نہیں ، نہیں میں آپ کو پینے نہیں دونگی ۔ میں آپ کے پاوں پڑتی ہوں ۔

رئیس = (زور سے ہنستے ہوئے) تم مجھے پینے سے روک رہی ہو ؟ تم اس انسان کو پینے سے منع کر رہی ہو جو یہ چاہتا تھا کہ تمہاری حسین اور گداز باہوں کی شریانوں میں خون کی جگہ صرف لذیذ شراب دوڑتی رہے ۔ ہے رے شراب ۔ اسی شراب میں تو میرے ایک دوست نے اپنے دل کی جلن کو مٹانے کے لئے زہر ملا دیا تھا ۔ اور ہم دونوں دوست شراب پیتے پیتے اس دنیا سے چلے گئے

----ہم یوں ہی مر گئے تھے۔ ہم کو کس نے مارا، نادرہ---- بتاؤ، کس نے مارا ہم کو؟

نادرہ = (بے حد وحشت زدہ ہے) جی! آپ کو!

رئیس = ہم دونوں کو دراصل تم نے مار دیا--- تمہاری بزدلی نے ہم کو مار ڈالا--- تمہاری گھریلو، بے لذت شرافت نے ہمارا خون کر دیا----- نادرہ، تم نے مجھے مار دیا۔ میرا خون کر دیا۔

نادرہ = (چیختے ہوئے) رئیس---- میرے سرتاج، ایسا تو نہ کہئے--- مجھے دیکھئے، میری اس جھوٹی زندگی کو نہ دیکھئے۔ اس بیوہ کے دل میں جلتی ہوئی آگ کو دیکھئے، جس کے شعلے بھڑک اٹھیں تو شاید گھڑی بھر میں ساری دنیا کو جلا کر خاک کر دیں---- لیکن---- (جیسے کچھ سوچ رہی ہو) لیکن---- سچ کہتے ہو رئیس، میں---- میں ہی تمہاری خونی ہوں۔ (بلند آواز میں) ہاں میں نے ہی تمہارا خون کر دیا۔ میں نے ہی، میں ریحانہ نہ بن سکی۔ نئی سوسائٹی کی شراب نہ بن سکی۔ بلکہ زہر بن گئی زہر--- ہاں، میں خونی ہوں، میں۔

رئیس = (زور سے ہنستے ہوئے) ہونا۔؟ تم خونی ہونا؟۔ تو لاؤ اور تھوڑا زہر دے دو، آج پھر اس شراب میں زہر ملا دو--- میں اس موت سے بھی دور بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ جو مجھے تم سے قریب لاتی ہے۔ میں بہت دور چلا جانا چاہتا ہوں--- میں جا رہا ہوں--- (وہی بھاری قدموں کی آواز) تو ایسی بھاتی ہے

نادرہ = (رئیس کو جانے سے روکتے ہوئے، رو پڑتی ہے)۔ رئیس، مجھے معاف کر دو---- اب نہ جاؤ---- رئیس ایسی حالت میں تو نہ جاؤ۔

رئیس = (بے حد طیش میں) ہٹ جاو میرے پاس سے ---- ہٹ جاو
---- میں جارہا ہوں ----

نادرہ = (چیخ کر) رئیس!! - (رئیس نادرہ کو جیسے زور سے ڈھکیل دیتا ہے، نادرہ چیخ مار کر نیچے گر جاتی ہے - اور رئیس باہر چلا جاتا ہے - سیڑھیوں پر بھاری قدموں کی آواز - لمحہ بھر بعد ایسی آواز آتی ہے جیسے سیڑھیوں پر کوئی گر کر لڑھک رہا ہے --- بوتل کے ٹوٹنے کی آواز آتی ہے، اسی آواز کے ساتھ، رئیس کی ایک طویل چیخ سنائی دیتی ہے، اور ساتھ ہی نادرہ کی ایک زوردار چیخ ہر طرف گونج جاتی ہے اور پھر خاموشی چھا جاتی ہے، ---- پھر گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دینے لگتی ہے ایسے میں بیرا صاحب --- صاحب کہتا ہوا نادرہ کے قریب جاتا ہے)

بیرا = صاحب - صاحب ---

نادرہ = (گھبرائے ہوئے انداز میں چونک اٹھتی ہے) ہاں!

بیرا = صاحب، صاحب - آپ -!

نادرہ = ہاں - ہاں ---- میں ---- مجھے کیا ہو گیا ہے؟ -

بیرا = جی کچھ نہیں صاحب - آپ کی آنکھ لگ گئی تھی -

نادرہ = ہاں میں سو گئی تھی - اور وہ؟

بیرا = وہ کون صاحب -

نادرہ = آں ---- ہاں کوئی نہیں ---- شراب لے آو -

بیرا = وہ تو کب کی یہیں رکھی ہے -

نادرہ = ہاں، ٹھیک ہے جاو ---- (گلاس میں شراب انڈیلنے لگتی ہے)

(پردہ)

سنگِ راہ

افراد	بادشاہ
شہریار	بادشاہ کا مشیر خاص
افگن	ایک نوجوان فن کار
مُشتری اور گل رخ	کنیزیں
جانباز اور دلدار	خدمت گار

منظر: ایک عالی شان محل کی آرام گاہ۔ پچھلی دیوار میں دو کشادہ کھڑکیاں ہیں جن پر قیمتی پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ کھڑکیوں سے قریب ایک قیمتی مسہری بچھی ہوئی ہے جس کے قریب ہی ایک تپائی پر رنگین بلور کی صراحیاں اور پیالے دھرے ہیں (فرنیچر کے انتخاب و ترتیب سے آرام گاہ کے ماحول میں موزوں رنگوں کا امتزاج پیدا کیا جائے، بہت ہی ٹھنڈی قسم کی روشنی ہو اور ساتھ ہی اسٹیج کی سجاوٹ ہر رخ پر اجاگر ہو) مسہری کے سامنے دونوں جانب دو خوبصورت کنیزیں، مُشتری اور گل رخ، دلکش لباس پہنے ہاتھوں میں ساز لیے

کھڑی ہیں۔ ان سے کچھ ہٹ کر دو خدمت گار جانباز اور دلدار باادب کھڑے ہیں پردہ اٹھنے سے پہلے ہی ساز بجنا شروع ہو جاتا ہے جب پردہ اٹھتا ہے تو دونوں کنیزیں ساز بجاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

گلُرخ: (ساز بند کر کے) کیا بات ہے مشتری آج اتنی رات ہوگئی حضور نے ابھی تک آرام گاہ کا رخ نہیں کیا؟

مشتری: ہائے گلرخ تم کیوں اتنی بے کل ہو رہی ہو۔ آتے ہی ہوں گے حضور۔

گلرخ: (ساز نیچے رکھتے ہوئے) نہیں مشتری دراصل میں بہت تھک گئی ہوں (انگڑائی لیتی ہے)

مشتری: میں بھی تو تمہارے ساتھ ہی کھڑی ہوں۔

جانباز: (اپنے بند ہاتھ چھوڑتے ہوئے جماہی لیتا ہے) بھئی آج تو میں بھی بہت تھک گیا ہوں لیکن تھکن بری نہیں لگتی گلرخ تم اپنا ساز اتنا اچھا بجاتی ہو کہ اکثر حضور سے پہلے مجھے نیند آجاتی ہے

مشتری: (دل فریب ہنسی کے ساتھ) واہ جانباز واہ، تم تو سچ مچ جانباز نکلے۔

میری بات مانو کسی دن اپنی گلرخ کو لے کر اس محل سے کہیں دور چل دو نہیں تو-----

دلدار: (بات کاٹ کر، مشتری سے) یہ سب کچھ تم جانباز سے کیوں کہہ رہی ہو، میں خوب سمجھتا ہوں، تمھارا اشارہ دراصل میری طرف ہے کہ میں تم

کو ـــــــ

گلرخ: (مزہ لیتے ہوئے) واہ واہ دلدار، تم نے مشتری کے دل کا چور پکڑ لیا۔ وہ تو چاہتی ہے کہ اسی وقت تم اسے ساتھ لے کر کہیں فرار ہو جاو۔

مشتری: تم بھی میری ہی آڑ لینے لگی ہو گلرخ، مگر اتنا یاد رکھو یہ نام کے جانباز اور دلدار ہیں یہ تمھارے میرے کام نہیں آئیں گے دیکھتی نہیں ہو؟ جب کبھی حضور ہم لوگوں سے بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے لگتے ہیں تو یہ دونوں کیسے چور بلیوں کی طرح آنکھ بند کر لیتے ہیں' ارے محبت وہ بھی کرتا ہے جس نے آج سارے شاہی محل کی زندگی کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے۔

دلدار: کون ہے وہ؟

مُشتری: جی وہی فن کار افگن، جسے آج تین دن سے حضور والا نے قید کر رکھا ہے۔ اور جس کے عشق میں حضور شہزادی نے سوگ اُٹھایا ہے۔ تم تو خوب جانتی ہو نا گلرخ؟

گلرخ: خوب جانتی ہوں۔ شہزادی نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اس قیدی کو رہا نہ کیا جائے وہ روشنی کی ایک کرن نہیں دیکھیں گی (کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) دیکھو نا شہزادی کا خوب صورت محل کیسے گھپ اندھیرے میں گھرا ہوا ہے۔

جانباز: ہاں گلرخ عشق کا مزاج بگڑ جائے تو محل ہی کیا، ساری دنیا میں اندھیرا ہو جاتا ہے

مُشتری: آہاہاہا۔ جانباز، اب تم اپنا عشق مت جتاو (باہر قریب ہی

چھوٹی چھوٹی گھنٹیوں کے بجنے کی سریلی آواز سنائی دیتی ہے) لو، برآمدے میں گھنٹیاں بجنے لگیں، حضور تشریف لارہے ہیں۔

(کنیزیں پھر سنبھل کر کھڑی ہوجاتی ہیں اور ساز چھیڑتی ہیں۔ دونوں خدمت گار باادب ہوجاتے ہیں۔ بادشاہ اپنے مشیر خاص، شہریار کے ساتھ داخل ہوتا ہے بادشاہ ایک ڈھیلا ڈھالا جبہ پہنے ہوئے ہے جو گلے تک بند ہے اور نیچے فرش کو چھورہا ہے۔ اس کی آستینیں بہت ہی ڈھیلی ڈھالی ہیں۔ شانوں پر ایک بڑا دوشالہ پڑا ہوا ہے جو اس کے بازؤں پر کھیلتا رہتا ہے۔ سر پر کپڑے کی ایک گول ٹوپی ہے جو پیچھے کی طرف ڈھلکی ہوئی ہے اور ٹوپی سے نکلے ہوئے کچھ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے ہیں۔ شہریار اپنے درباری لباس میں ہے درباری انداز میں بادشاہ کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، اس کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ کے مزاج کو خوب سمجھتا ہے)۔

بادشاہ: (قہقہہ لگاتا ہوا داخل ہوتا ہے) ہاہاہا شہریار، تم نہیں سمجھ سکتے۔ (یک لخت سنجیدہ ہوکر غصے میں کنیزوں سے) بند کردو یہ ساز۔ ہمیں یہ پرانے راگ پسند نہیں (کنیزیں سہم کر ساز بند کردیتی ہیں۔ بادشاہ اسی انداز سے خدمت گاروں کی طرف دیکھ کر) کیسے بے وقوفوں کی طرح کھڑے ہوئے ہیں یہ غلام، ان سے پوچھو شہریار کہ آج یہ ساز کیوں بجوایا انھوں نے۔ پوچھو۔

شہریار: (ادب سے) اعلیٰ حضور (خدمت گاروں سے مخاطب ہوتا ہے کہ بادشاہ اسے روک دیتا ہے)

بادشاہ: ٹھہرو یہ کچھ نہیں بتائیں گے۔ یہ تو نرے بدھو ہیں بدھو۔

(ہنستے ہوئے کنیزوں کے قریب جاکر) ان کو دیکھو، یہ کنیزیں ہنیں ۔ حسینائیں ہیں کتنا اچھا ساز بجاتی ہیں ۔ ان کی نازک انگلیوں سے کیسے سریلے راگ نکلتے ہیں ۔ وہی سریلے راگ ہم کو میٹھی نیند سلاتے ہیں ۔ (ایک عجیب سا قہقہہ ابل پڑتا ہے) دیکھو یہ بھی فن کار ہیں ۔ فنکار ہاہا ۔ سوچو شہریار ان کے ہاتھوں میں کتنا بڑا فن ہے کہ ان کے حاکم کی نیند ان کے ہاتھوں میں ہے ۔ اپنے حاکم کو میٹھی نیند سلانا اور نیند سے جگانا کتنا بڑا فن ہے) ۔ بتاؤ اس سے بڑا کوئی اور فن ہوسکتا ہے ؟

شہریار: عالی وقار سلانے اور جگانے سے بڑا کوئی اور فن ہنیں ۔

بادشاہ: (چڑکر) یہ غلط ہے شہریار ۔ تم فن کی باتیں ہنیں سمجھ سکتے ۔ اس فن سے بڑا بھی ایک اور فن ہے، اور وہ ہے ہمارا فن تمہارے اس حاکم کا فن جس کے سائے تلے سارے فن کار پلتے ہیں ۔ پھلتے پھولتے ہیں ۔ تمہارے اس حاکم کا فن جس کی برکتوں سے کتنے ہی فن کار زمانے کی یادگار بن جاتے ہیں اور تاریخ میں ہمارے نام کے سہارے زندۂ جاوید ہوجاتے ہیں (شہریار کے قریب جاکر رازدارانہ انداز میں) تمہیں ہنیں معلوم شہریار، ہم نے راز میں ایک فرمان لکھ رکھا ہے جس میں ہمارا ارشاد ہے کہ ہماری رعایا کے ہر فرد کو جینے کا پورا پورا حق عطا فرمایا گیا ہے ۔ اب اس سے بڑھ کر ایک سچا حاکم اپنی رعایا کے لیے اور کیا کر سکتا ہے ؟

شہریار: بجا ارشاد ہوا عالی جاہ، اس سے بڑھ کر ایک حاکم اور کچھ ہنیں کر سکتا ۔

بادشاہ: آہا، تمھیں نہیں معلوم شہریار، ایک حاکم اور بہت کچھ کر سکتا ہے۔ ہم چاہیں تو اپنی ساری رعایا کو ایک بڑے دریا میں غرق کر سکتے ہیں۔ سارے ملک کو آگ لگا کر خاک کر دے سکتے ہیں۔ قتل عام کروا کر خون کی ندیاں بہا سکتے ہیں لیکن ہم ایسا نہیں کرتے ہم کہ اپنی رعایا سے محبت ہے۔ ہمدردی ہے (گل رخ کے قریب جاتا ہے، اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کچھ دیر ایسے ہنستا ہے جیسے گدگدی ہو رہی ہو)

دیکھو، یہ ہاتھ کس قدر خوب صورت ہیں، ان ہاتھوں میں کیسے سریلے راگ چھپے ہوئے ہیں۔ تم چاہتے ہو شہریار ہم ان ہاتھوں کو جلا دیں۔ ان سریلے راگوں کو جلا دیں۔ ہمیں میٹھی نیند کیسے ملے گی؟ تم ہماری نیند چھین لینا چاہتے ہو۔ شہریار تم ہمارے دشمنوں کی طرح کیوں بات کرتے ہو؟

شہریار: (ذرا سہم کر) حضور کا اقبال بلند رہے۔ آپ کا غلام ایسا خیال بھی کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ آج حضور کی عنایتیں اور مہربانیاں نہیں ہوتیں تو حضور کی خوش حال رعایا کب کی کیڑوں مکوڑوں کی موت مر جاتی۔ ان کا نشان تک نہ ہوتا۔ یہ تو عالی جاہ، حضور پر نور کی عین نوازش ہے کہ ہم سب زندہ ہیں، خوش حال ہیں اور جی رہے ہیں۔

بادشاہ: (خوش ہو کر تیزی سے شہریار کے قریب جاتا ہے) یہ تم سچ کہہ رہے ہو نا شہریار؟ لیکن ـــــ (شہریار کے اور قریب جا کر) لیکن شہریار کبھی کبھی ہم کو ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے کہ لوگ ہم سے خوش نہیں ہیں۔

شہریار: کس بد بخت کی مجال ہے کہ حضور کو ایسا احساس دلا دے۔

بادشاہ: نہیں کسی اور نے ہم کو ایسا احساس نہیں دلایا۔ ہم کو کبھی کبھی ایسا خیال آجاتا ہے۔

شہریار: بندے کی گستاخی معاف ہو حضور۔ کہیں مزاج دشمناں مضمحل تو نہیں حکم ہو تو اسی وقت تمام شاہی حکماء کو حضور میں پیش کردوں۔ تاکہ وہ اپنے قیمتی مشوروں سے کوئی موزوں علاج تجویز کر سکیں اور حضور فوراً اس منحوس احساس سے چھٹکارا پا جائیں۔

بادشاہ: تم ٹھیک کہتے ہو شہریار۔ کچھ دنوں سے ہم کو یہ احساس بہت ستا رہا ہے۔ کبھی کبھی ہم بہت بے چین رہتے ہیں۔ راتوں میں دیر تک ہم کو نیند نہیں آتی۔ سچ سچ بتاؤ شہریار یہ کوئی بیماری تو نہیں۔

شہریار: میرے آقا۔ جان بخشی ہو تو عرض کروں۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جو صرف بادشاہوں اور شہنشاہوں کو ہوا کرتا ہے۔ اس مرض کو "راج وہم" کہتے ہیں۔ اسی لیے غلام نے گزارش کی کہ حکم ہو تو شاہی حکیموں کو حاضر خدمت کیا جائے۔

بادشاہ: (کچھ پریشان ہو کر) تو کیا ہم کو بھی "راج وہم" ہو گیا ہے شہریار!

شہریار: کس میں جرات ہے کہ یہ کہہ سکے حضور۔ لیکن خداوند کے ارشاد سے کچھ ایسا گمان سا ہوتا ہے۔

بادشاہ: (کچھ اور گھبراتے ہوئے) نہیں شہریار، ہرگز نہیں۔ ہم کو یہ مرض نہیں ہو سکتا ہم کو یہ مرض نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ تو بتاؤ اس مرض میں آخر ہوتا کیا ہے؟

شہریار: حضور پرنور، اس موذی مرض کی ابتدا کچھ ایسے۔۔۔۔۔۔۔

ہی وہم سے ہوتی ہے۔ بادشاہ کو اندیشہ ہو جاتا ہے کہ اس کی رعایا اس سے خوش نہیں ہے۔ کچھ بددل ہو گئی ہے۔ اور رعایا کی بددلی نے چند غداروں کو جنم دیا ہے۔ اور غدار جیسے بادشاہ کے محل کی طرف نظر لگائے بیٹھے ہیں کہ موقعہ ہاتھ آتے ہی حملہ کر دیں۔ دھیرے دھیرے غداروں کا خوف بادشاہ کے دماغ پر کچھ اس طرح چھا جاتا ہے کہ وہ لوگ بادشاہ کے خوابوں میں آکر اسے ڈراتے ہیں۔ بادشاہ بار بار نیند سے چونک اٹھتا ہے۔ اور اگر مرض شدید ہو جائے تو نیند سے وہ چیختا چلاتا ہوا اٹھتا ہے۔ محل کے در و دیوار سے اسے خوف ہونے لگتا ہے۔ اور جب یہ بات محل سے باہر پہنچ جاتی ہے تو بادشاہ کے غلام، بادشاہ کو.... (ذرا ڈرتے ڈرتے) .... بادشاہ کو پاگل سمجھنے لگتے ہیں اور غداروں کو غداری کا موقعہ مل جاتا ہے۔

بادشاہ: (کچھ بے چینی اور ہراسانی کے عالم میں) بند کرو یہ بکواس۔ شہریار ہمیں اس قسم کا کوئی مرض نہیں۔ (مسہری کے قریب جاکر ایک ہاتھ بڑھاتے ہوئے بلند آواز میں) شراب! ہم کو شراب چاہیئے۔ (کنیزیں شراب پیش کرتی ہیں، شراب پیتا ہے، اس کی سانس پھول گئی ہے) ہم کو یہ مرض کبھی نہیں ہو سکتا۔ شہریار۔ سنا تم نے؟ کبھی نہیں۔

شہریار: ہماری بھی دعا ہے۔

بادشاہ: (شراب کا دوسرا پیالہ ہاتھ میں لے کر غضب ناک بن جاتا ہے) دعا!! ہونہہ تم جیسے غلام صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم اس مرض کا علاج خوب جانتے ہیں اس سے پہلے کہ کوئی ہمیں پاگل کہہ سکے ہم تم جیسے ہزار ہا کروڑہا

غلاموں کو ایک پاگل خانے میں بند کروادیں گے ۔ اس سے پہلے کہ کوئی غدار سر اٹھائے ہم اس کا سر اپنے پیروں تلے کیڑے کی طرح مسل دیں گے ۔ ہاہا ۔ ہم اور پاگل! زور سے ہنستا ہے اور شراب کا خالی پیالہ واپس کر دیتا ہے ۔ کنیز پیالے میں مزید شراب بھرتی ہے ۔ بادشاہ مسہری پر بیٹھ کر) ہم اور پاگل! (خدمت گاروں اور کنیزوں کی طرف دیکھ کر) بتاؤ کون ہم کو پاگل کہہ سکتا ہے ؟ (چیخ کر) بتاؤ ۔ (کنیزیں اور خدمت گار سہم جاتے ہیں) ۔ کوئی نہیں ۔ اگر ہم پاگل ہو گئے تو ہم اپنی ساری رعایا کو پاگل بنادیں گے اور --- اور --- (جیسے نشہ چڑھ رہا ہے) اگر ہماری رعایا غدار ہو جائے تو ہم بھی رعایا سے غداری کر دیں گے ۔ (ہنستے ہوئے) کیوں شہریار؟ (شراب کا ایک اور پیالہ پیتا ہے)

شہریار: حاکم کو ہر بات کا اختیار ہے ۔ خادم نے تو صرف مرض کی تفصیل بیان کی ویسے غلام اس مرض کا علاج بھی جانتا ہے ۔

بادشاہ: (یکلخت مسہری سے اٹھ کر پیالہ ہاتھ میں لیے تیزی سے شہریار کے قریب جاتا ہے) شہریار تم اس مرض کا علاج جانتے ہو؟ تم جانتے ہو؟

شہریار: عالم پناہ ۔

بادشاہ: تو شہریار ۔ آج ہی فرمان جاری کردو کہ تمام شاہی حکیموں کو ایک سال تک قید کی سزادی جاتی ہے اور قید کے بعد سب کو ملک بدر کر دیا جائے گا ۔ آج تم سے اس مرض کا ذکر کرنے سے پہلے ہم نے ان تمام حکیموں سے مشورہ کیا تھا، لیکن ان کڑھ مغزوں میں سے ایک نے بھی کوئی ٹھیک سا علاج نہیں بتایا ۔ کہنے لگے بس حضور کو صرف آرام کی ضرورت ہے، کوئی فکر کی

بات نہیں ۔ تم ایک سچے وفادار ہو شہریار ۔ پہلے ہم کو علاج بتلادو اس کے بعد فوراً شاہی حکیموں کو قید کرنے کا حکم جاری کر دو ۔ (کچھ نرم لہجے میں، جلدی بتاؤ تو اس کا علاج کیا ہے ؟

شہریار: حضور کی عمر و اقبال میں ترقی ہو، سرکار کے اختیار میں کیا کچھ نہیں ۔ اس مرض کا علاج ہے حضور کے چند غلاموں کی موت ۔

بادشاہ: چند غلاموں کی موت؟ وہ کیسے ؟

شہریار: حضور حکیموں کی مقدس کتاب تاریخ الامراض " میں اس مرض کا ذکر آیا ہے ۔ اور مرض کے ساتھ ہی علاج کا نسخہ بھی درج ہے ۔ مریض بادشاہ کو چاہیئے کہ اپنی رعایا کے ایسے تمام لوگوں کو جن میں غداری اور بغاوت کے جراثیم پائے جاتے ہیں گرفتار کروا کر سربازار آگ کی بڑی بھٹی میں جلادے ۔ جب آگ ٹھنڈی پڑجائے تو اس کی تھوڑی سی راکھ بوتل میں اس وقت تک بند رکھی جائے جب تک کہ مرض شدید نہ ہوجائے ۔ مرض اگر شدت اختیار کرلے تو سات دن تک روز تھوڑی تھوڑی راکھ مریض کے پورے بدن اور سر پر مل کر گرم پانی سے حمام کرایا جائے ۔

بادشاہ: (خوش ہو کر) بس اتنی سی بات؟ ایک شاہی مرض کا اتنا معمولی علاج؟ ہونہہ، عجیب بات ہے (شراب پیتے ہوئے ۔ کچھ اور نشہ چڑھ گیا ہے) لیکن شہریار، یہ کیسے معلوم ہو کہ غدار کون ہے ؟

شہریار: حضور: مقدس کتاب " تاریخ الامراض " میں اس مشکل کا حل بھی بتایا گیا ہے ان تمام لوگوں کی فہرست دی گئی ہے جن میں غداری کے

جراثیم پائے جاتے ہیں

بادشاہ: (ایک اور پیالہ لیتے ہوئے) تو بتاو وہ کون ہیں؟

شہریار: حضور: سب سے پہلے وہ فلسفی جس کا فلسفہ نہیں ہوتا بلکہ سجھ میں آجاتا ہے۔ اور دل پر اثر کر جاتا ہے۔

وہ شاعر اور ادیب جو عوام کو زندگی کی تلخیوں کا احساس دلاتے ہیں اور اپنے حق کے لیے لڑنے پر اکساتے ہیں۔

وہ مصور جس کی تصویریں امن اور آشتی کا پیغام دیتی ہیں۔

وہ سائنس داں جس کے تجربے اور تحقیق بجائے جنگی آلات ایجاد کرنے کے انسان کی ہتذیبی اور تمدنی آسائشیں مہیا کرنے میں لگے ہوئے ہیں وہ حکیم اور ڈاکٹر جو امیروں اور غریبوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں اور ہر وہ بے روزگار جو اپنی بے روزگاری سے تنگ آچکا ہے۔

بادشاہ: (خوش ہو کر) بس اتنے ہی لوگ غدار ہوتے ہیں؟ تو پھر کون سی بڑی بات ہے۔ شہر شہر، گاؤں، گاؤں، راز میں یہ کارروائی کی جائے اور جن جن پر غدار ہونے کا شبہ ہے گرفتار کر لیا جائے۔ کوئی ہرج نہیں جو سارے کے سارے لوگ گرفتار ہو جائیں۔ غلام روز پیدا ہوتے اور مرتے ہیں، بادشاہ روز پیدا نہیں ہوتے۔ (مسہری کی طرف جاتے ہوئے) شہریار یہ کام ہم تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ تمام غداروں کو جلا کر خاک کر دیا جائے۔

شہریار: ان داتا

بادشاہ: تو جاو تین دن کے اندر ہمارے مرض کی دوا تیار ہو جانی چاہیئے

--- ہونہہ --- غدار!!! (زور زور سے ہنستے ہوئے کھڑکی کے قریب جاتا ہے جب باہر نظر پڑتی ہے تو یکلخت غصہ میں آکر) شہریار!

شہریار: خداوند

بادشاہ: شہزادی کے محل میں ابھی تک اندھیرا کیوں ہے؟

شہریار: جھجکتے ہوئے آقا --- وہ --- ؟

بادشاہ: (کڑک کر) جلدی بتاو

شہریار: میرے آقا --- وہ آپ کا غلام افگن جو قید ہے۔ اسی سبب شہزادی حضور نے محل کی روشنیاں جلانے کی اجازت نہیں دی۔

بادشاہ: (اور طیش میں آکر) لیکن ایسا کیوں ہوا۔ اس غلام فن کار قیدی کو اسی وقت حاضر کیا جائے۔ ہم ابھی اس کا فیصلہ کئے دیتے ہیں۔ (چیخ کر) غلام! (دونوں خدمت گار ٹھٹھک جاتے ہیں) قیدی افگن کو فوراً حاضر کیا جائے۔ (دلدار سر جھکائے باادب باہر چلا جاتا ہے) لیکن شہریار، جب شہزادی کے محل میں اندھیرا ہے تو یہ سارے شہر میں روشنی کیسی؟ جاو شہریار یہ ہمارا حکم ہے۔ سارے ملک میں ایک دم اندھیرا کر دیا جائے۔ کہیں روشنی کی ایک کرن نظر نہ آئے جس گھر میں روشنی نظر آئے اس گھر میں آگ لگا دو۔

شہریار: ان داتا

بادشاہ: (چیخ کر جاو بس اسی وقت۔ شہریار جانے کو پلٹتا ہے) ٹھہرو، ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دو کہ شہزادی کے محل میں جب تک روشنیاں نہ جل جائیں، ملک بھر میں کہیں چراغ نہ جلے۔ اور اس سے قبل کہ یہ اعلان ہو

ہم چاہتے ہیں کہ شہزادی اور غلام افگن کی بات کا فیصلہ ہو جائے ۔ ہم اس فن کار کو آج ختم کر دیں گے ۔

شہریار: حضور کے حکم کی تعمیل غلام کا فرض ہے ۔ لیکن غلام کی صرف اتنی عرض ہے کہ یہ حضور شہزادی کا معاملہ ہے اس پر کچھ مزید غور فرمالیا جائے تو غلام کی رائے میں مناسب ہوگا ۔ ویسے جو حکم حاکم ۔

بادشاہ: ایسی باتیں کر کے ہمارے غصہ کی آگ کو ہوا نہ دو شہریار ۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ جادو شہزادی کے سر کیسے چڑھ گیا ۔ آج ہم اس بات کا کوئی نہ کوئی فیصلہ کر دیں گے ۔

شہریار: جو حکم عالی ۔ خادم کا ادنیٰ مشورہ یہ ہے کہ حضور صرف اس بات پر غور فرمالیں کہ اس سزا کا حضور شہزادی پر کیا اثر پڑے گا ۔

بادشاہ نہیں، ہمارا فیصلہ اٹل ہے ۔ ہم اس پر جتنا غور کریں گے اتنا ہی کمزور ہوتے جائیں گے ۔ اور ہم کبھی کمزور نہیں ہونا چاہتے (غصے میں غلام ابھی تک نہیں لوٹا؟ کیا بات ہے؟ (کڑک کر) غلام!

جانباز: (چونک کر) حضور

بادشاہ: جاو ۔ فوراً افگن قیدی کو حاضر کرو (جانباز سر جھکائے باہر چلا جاتا ہے) شراب! شہریار، آج ہم خوب پینا چاہتے ہیں ۔ (کنیزیں شراب پیش کرتی ہیں) شہزادی کی اس ضد نے آج ملکہ ء مرحوم کی یاد تازہ کر دی ۔ وہ زندہ ہوتیں تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ۔

(جانباز داخل ہوتا ہے اور سر جھکائے کھڑا ہو جاتا ہے)

بادشاہ: (کڑک کر) کیا ہوا؟

جانباز: قیدی افگن حاضر ہے خداوند۔

بادشاہ: اندر بلایا جائے۔

(دلدار کے ساتھ افگن داخل ہوتا ہے۔ سیدھے سادے لباس میں ہے اس کے شانوں پر ایک دوشالہ پڑا ہوا ہے۔ داڑھی بڑھی ہوئی ہے۔ دیکھنے میں خوبرو نوجوان ہے)

بادشاہ: (افگن پر نظر ڈال کر) تو یہ ہے وہ فن کار؟ فن کار؟؟؟ (نشہ کافی چڑھ گیا ہے، افگن کے قریب جاکر اسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہے) ہونہہ، تو تم ہو وہ فن کار؟ کیا نام ہے تمہارا؟

افگن: لاپرواہی اور دلیرانہ انداز سے) افگن

بادشاہ: افگن! کہاں کے رہنے والے ہو؟

افگن: اسی شہر کا۔

بادشاہ: کیا کام کرتے ہو؟

افگن: تصویریں بناتا ہوں۔

بادشاہ: (نشیلی ہنسی کے ساتھ) تصویریں بناتے ہو؟ کس کی تصویریں؟

افگن: زندگی کی تصویریں۔

بادشاہ: ہوں، بہت خوب۔ تم کو یقین ہے کہ تم زندگی کی تصویر بناتے ہو؟ بتاؤ ہماری تصویر بنا سکو گے؟

افگن: ضرور

بادشاہ: تو ہماری تصویر بھی زندگی کی تصویر ہوگی؟

افگن: بے شک

بادشاہ: تمہیں یقین ہے کہ ہماری تصویر زندگی کی ایک مکمل تصویر ہوگی؟

افگن: ایسا تو نہیں ہوگا۔ آپ کے بنانے والے نے آپ کو مکمل نہیں بنایا تو بھلا میں کیا آپ کو مکمل بنا سکوں گا۔

بادشاہ: کیا مطلب ہے تمہارا؟

افگن: وہی جو میں کہہ رہا ہوں۔

بادشاہ: (غصہ میں) جانتے ہو تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟

افگن: ہاں میں خوب جانتا ہوں میں اس لڑکی کے باپ سے مخاطب ہوں جو مجھ سے محبت کرتی ہے۔

بادشاہ: (چیخ کر) خاموش۔ بدزبان۔ تو جانتا ہے اس وقت ہم تیری زبان کٹوا سکتے ہیں؟ تیری بوٹیاں نچوا سکتے ہیں۔ تجھے زندہ جلا سکتے ہیں۔

افگن: میں خوب جانتا ہوں۔

بادشاہ: تو پھر ایسی گستاخی کرنے کی جرات کیسے ہوئی تجھے؟

افگن: میں نہیں سمجھتا کہ اتنی سی بات کہنے کے لیے کسی جرات کی ضرورت ہے۔

بادشاہ: (کچھ رنگ بدل کر) ہوں! بہت بہادر معلوم ہوتے ہو۔ تم شہزادی کو کب سے جانتے ہو؟

افگن: جب سے شہزادی مجھے جانتی ہے۔

بادشاہ: (طنزاً) بہت خوب! تم سمجھتے ہو کہ تم اپنی جان بچاکر میری قید سے نکل سکوگے؟

افگن: مجھے پورا یقین ہے۔

بادشاہ: (زور سے ہنس دیتا ہے) کس قدر بے وقوف آدمی ہے۔ شہریار، یہ مجھے پاگل معلوم ہوتا ہے، بالکل پاگل، اسے سمجھادو یہ اپنی ضد سے باز نہ آئے تو آج کی رات اس کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔

شہریار: افگن۔ معلوم ہوتا ہے تم اپنے ہوش میں نہیں ہو۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ شاہی خاندان سے ایک غلام کا رشتہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک جرم ہے اور اس کی سزا موت ہے۔

افگن: لیکن میرے بزرگ، ہوش میں تو آپ نہیں معلوم ہوتے۔ میں شاہی خاندان سے کوئی رشتہ جوڑنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں کیا کرسکتا ہوں جب خود شاہی خاندان مجھ سے رشتہ جوڑنا چاہتا ہے۔

بادشاہ: کیا بکتا ہے، خبردار جو آگے کچھ کہا۔

افگن: میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، سچ کہہ رہا ہوں، آج اگر شہزادی مجھ سے یہ کہہ دے کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی اور مجھ سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو میری مجال نہیں کہ ایسی کوئی بات زبان پر لاؤں۔

بادشاہ: یہ سب جھوٹ ہے، فریب ہے، دھوکہ ہے، تمہارا مطلب ہے قصوروار تم نہیں شہزادی ہے؟

افگن: اس بات کا فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔

بادشاہ: (بے حد غصے میں، نہیں۔ اس سے قبل کہ اس بات کا کوئی فیصلہ ہو،ہم تم سے کہتے ہیں کہ تم کو اپنی ضد سے باز آنا ہوگا۔

افگن: یہ ممکن نہیں۔

بادشاہ: یہ ہمارا فرمان ہے۔

افگن: تو یہ میری نافرمانی ہے۔

بادشاہ: (اور طیش میں آجاتا ہے) شہریار! اس کمینے غلام کو اسی وقت لے جاکر سر بازار جلادو۔ شہر میں ڈھنڈورا پٹوادو کہ اس نیچ فن کار کی گستاخی پر اسے سر بازار جلایا جارہا ہے۔ تاکہ پھر کسی کی ایسی جرات نہ ہو۔ اس کے گھر کو آگ لگادو۔ اس کے خاندان کے ہر فرد کو جلاکر خاک کردو۔ شہریار، تم کھڑے کیا کررہے ہو سنتے نہیں ہو،ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

(نشے سے بوجھل ہوکر مسہری پر بیٹھ جاتا ہے اور بے حد کرب آمیز انداز میں) ہم ـــــ ہم ـــــ آج بتادیں گے کہ ہم میں کتنی شکتی ہے۔ کتنی قوت ہے، اے فن کار تیری ساری تصویریں، تیری ساری زندگی ہمارے غصے کی آگ میں جل کر چلّائے گی۔ چیخے گی تو سب سمجھ جائیں گے کہ انسان کے فن میں کوئی شکتی نہیں۔ شکتی ہے حکمران میں، شکتی ہے حکومت میں۔ جاو یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔ خدمت گار!

(دونوں خدمت گار افگن کے بازو پکڑلیتے ہیں۔ افگن لاپرواہی کے انداز میں ان کے ساتھ باہر چلا جاتا ہے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد بادشاہ مضمحل انداز

میں ہنستے ہوئے) شہریار، شہریار، اب تم بتاؤ ہم نے؟ جو فیصلہ کیا ہے۔ وہ درست ہے یا نہیں۔

شہریار: حضور کا فیصلہ بالکل درست و مناسب ہے۔

بادشاہ: (مسہری پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے، گہری آواز میں) ہاں بے حد مناسب ہے، ہم نہیں چاہتے کوئی ایسا بدزبان گستاخ، کمینہ فن کار ہماری حکومت میں رہے۔

شہریار: حضور، ایسے ہی لوگ تو غداری اور بغاوت کو جنم دیتے ہیں۔

(کچھ دیر خاموشی چھا جاتی ہے، بادشاہ کچھ بے چین سا ہو جاتا ہے)

بادشاہ: لیکن شہریار!

شہریار: خداوند!

بادشاہ: کچھ نہیں، کچھ نہیں۔ (ٹہلنے لگ جاتا ہے، ٹہلتے ٹہلتے جیسے کچھ سوچ رہا ہو) شہریار

شہریار: عالی جاہ

بادشاہ: تم سمجھتے ہو ہمارا یہ فیصلہ بالکل صحیح ہے؟

شہریار: بالکل صحیح ہے حضور

بادشاہ: (کچھ چڑ کر) نہیں نہیں شہریار۔ تم بے وقوف ہو، یہ فیصلہ درست نہیں ہو سکتا۔

شہریار: ہو سکتا ہے حضور۔

بادشاہ: سب غلط ہے، یہ سب کچھ غلط ہے، شہریار یہ فیصلہ درست نہیں

(کچھ توقف کے بعد) شہریار، اس فن کار کو، اس قیدی افگن کو رہا کر دیا جائے ------ اس فن کار کو عزت کے ساتھ ہمارے دربار خاص میں حاضر کیا جائے ہم اس کی نہیں اس کے فن کی قدر کرتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس کا فن مر جائے۔

شہریار: (تعجب سے) لیکن حضور!

بادشاہ: شہریار۔ تم کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ تم جیسے لوگ ہماری حکومت کو مٹا کر رہیں گے۔ تم نہیں جانتے (معنی خیز ہنسی ہنستے ہوئے) تم کچھ نہیں جانتے شہریار (کچھ زور سے ہنستے ہوئے) تم سمجھتے ہو کہ اس کی موت، ایک بے وقوف فن کار کی موت ہم کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلادے گی؟ نہیں۔ کل اس کے سارے ساتھی اس جیسے لاکھوں فن کار ہمارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کی آنے والی نسل ہماری نئی نسل کے خلاف کھڑی ہو جائے گی۔ اس کی موت کی کہانی، ہمارے شاہی خاندان کی پوری تاریخ سے زیادہ دلچسپ اور حسین بن جائے گی ------ اس لیے ہم چاہتے ہیں ---- اس لیے ہم چاہتے ہیں شہریار کہ اس ایک فن کار کو خرید کر آنے والے لاکھوں فن کاروں اور غداروں کو خرید لیں۔ اس فن کار کو زندگی دے کر اسے ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنا لیں۔ اور اسے غلام بنا کر آنے والے اس جیسے لاکھوں فن کاروں کو غلام بنا لیں (عجیب انداز سے ہنستے ہوئے) جاو ---- اور ---- اور شہزادی کے محل کے کونے کونے میں روشنی کر دو ----- جاو ----

شہریار: (سلام کرتے ہوئے دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتے ہوئے باہر

چلا جاتا ہے)

بادشاہ: (نشے سے بے حد بوجھل ہو کر) ساز------ (بادشاہ کی آواز بہت گہری ہو گئی ہے) ساز بجاو، ساز بجاو (کہتے ہوئے مسہری پر رکھے تکیوں پر بے چینی سے اپنی پیشانی رگڑنے لگتا ہے)

(کنیزیں ساز بجانا شروع کرتی ہیں۔ دھیرے دھیرے پردہ گرتا ہے)

اچھے آدمی

(ایک ایکٹ کا ڈراما)

کردار

نظیر	عمر ۵۵ سال
بیگم نظیر	عمر ۵۰ سال
ماما	نظیر کے گھر میں کام کرنیوالی
	کام کرنے والی
کچھ آوازیں	

سین: ایک متوسط گھرانے کے رہن سہن کا کمرہ جس کی زیبائش مشرقی وضع کی ہے۔نظیر صاحب جواب ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں، بہت سی سماجی خرابیوں سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھتے ہیں۔ اور سماج پر نکتہ چینی کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اس وقت ایک آرام کرسی پر پرسکون انداز میں بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے ہیں اور ایک کتاب کے مطالعے میں مصروف ہیں۔ آنکھوں پر عینک لگی

ہے قریب ہی ایک تخت پر ان کی بیگم بیٹھی ہیں جو پاندان سامنے رکھے گلوریاں بنارہی ہیں ۔ باہر غل مچا ہوا ہے جیسے دو عورتیں زور شور سے آپس میں لڑ رہی ہوں ۔ ان کی باتیں کچھ ٹھیک سے سنائی نہیں دے رہی ہیں ۔ البتہ آوازیں کافی بلند ہیں ۔

نظیر: (اپنی کرسی پر جز بز ہوتے ہوئے) عجیب طوفان بدتمیزی ہے ۔

بیگم: (بنا کچھ غور کئے) جی ہاں ۔ (اپنی گلوریاں بنانے میں مصروف ہیں)

(نظیر کچھ نہیں کہتے اور پڑھنے لگ جاتے ہیں ۔ باہر کی آوازیں ذرا اور تیز ہو جاتی ہیں)

نظیر: (چڑ کر) افوہ! بیگم یہ تو .... یہ تو برداشت سے باہر ہوئے جا رہے ہیں

بیگم: تو آپ کیوں آپے سے باہر ہوئے جا رہے ہیں ۔ ان لوگوں کے سر پر لڑنے کا بھوت سوار ہے ۔

نظیر: ارے بیگم ۔ بدتمیزی کی حد ہوتی ہے ۔ آخر ہم لوگوں کا تو کچھ خیال ہونا چاہیئے انہیں کہ محلے میں کچھ عزت دار لوگ بھی رہتے ہیں

بیگم: اجی صاحب، آپ کی عزت رہی آپ کے گھر میں کسی کا جی جلے تو کیا وہ جی کی آگ کو راکھ میں داب دوب کر ڈھیر بنا رہے ۔ جب کہ دوسرے اسے برابر کرید رہے ہوں ۔ یوں تھوڑی دیر لڑ بھڑ کر اپنا جی ٹھنڈا کر لیتی ہیں وہ تو آپ کا کیا جاتا ہے؟

نظیر: بے حیائی ہے بیگم یہ صاف بے حیائی ہے ۔ بد تہذیبی ہے یہ ۔ لوگ کیا کہیں گے

کہ روز ہمارے گھروں سے جنگ و جدال کی آہ و بکا سنائی دیتی ہے۔ اور سارے پڑوسی سمجھنے لگیں گے جیسے روز روز کے جھگڑے ہمارے ہی اشاروں پر ہوتے ہیں (کچھ دیر اپنی بیگم کو غصے سے دیکھ کر پھر مطالعے میں مشغول ہوتے ہوئے چڑ کر) اف، توبہ ہی بھلی، قہر ہو خدا کا ان کم ظرفوں پر

بیگم: (ایک چھوٹی سی کشتی میں گلوری رکھ کر نظیر کی طرف بڑھاتے ہوئے) لیجئے، یہ میٹھی گلوری ہے (اگال دان ان کی طرف کھسکاتے ہوئے) غصہ اس اگال دان میں تھوک دیجئے اور گلوری سے منہ میٹھا کیجئے۔

نظیر: تم کو مذاق سوجھ رہا ہے بیگم میں کہتا ہوں اس حرافہ کو نکال باہر کرو ہم کوئی اور ماما ڈھونڈ لیں گے۔ کم بخت وبالِ جان بن گئی ہے! دن رات یہی لڑائی جھگڑے۔

بیگم: میں کہتی ہوں خواہ مخواہ تاؤ نہ کھائیے میں اس لڑاکا کا منہ بند کر دوں گی۔

نظیر: (اگال دان میں پیک تھوک کر دوسری گلوری منہ میں رکھتے ہوئے صرف منہ بند کر دینے سے کچھ نہیں ہوگا بیگم اسے تو بس جواب ہی دے دو۔ کم بخت نے شریفوں کے اس محلے کو بدنام کر رکھا ہے۔

بیگم: لیکن جواب دینے سے پہلے یہ بھی سوچ لیجئے کے اتنے سستے داموں اور کون ماما مل جائے گی۔ گھر کی پرانی نمک خوار ہے سو چل رہی ہے۔ بھلے سے دوسری مل بھی گئی تو کیا جانیں اس سے بھی زیادہ حرافہ نکلے۔

نظیر: ضروری نہیں، اس سے بڑھ کر بھی بھلا کوئی .... (باہر سے

دھاڑیں مارنے کی آواز آتی ہے اور اب کی بار آواز صاف سنائی دیتی ہے)

آواز: ہائے میا، اب اپنی ہنڈیا کے ٹھیکرے ہو گئے، تو گز بھر زبان نکال کر میری ڈوئی چاٹنے کو چلی ہے۔ ہٹ حرام خور

نظیر: افوہ بیگم افوہ، سنا تم نے، زبان ہنیں قینچی ہے قینچی۔ اب تو ہمارا سارا گھر سر پر اٹھالے گی۔ بیگم اتنی گراوٹ ہم سے برداشت ہنیں ہو سکتی۔ ذرا تم ہی جا کر اس کی چوٹی پکڑ لاو۔

بیگم: میں جاؤں اور ایسے میں اس کی چوٹی پکڑ لاؤں، کتیا کی طرح بلبلانے لگ جائے گی۔ بس اور کچھ دیر ٹھیر جائیے یہ اس کے آخری وار ہیں۔

نظیر: یہ آخری وار کس قدر بھرپور ہیں بیگم۔ بہتر ہو گا تم بھی آج ایک آخری بھرپور وار کر ڈالو، تاکہ اس کا قصہ ہی ختم ہو جائے۔

بیگم: اسے اندر تو آجانے دیجئے۔

نظیر: خدا جانے اس طبقے کے لوگوں کا کیا بنے گا۔ ازل سے ابد تک ان کو اس پستی سے کوئی اوپر اٹھا ہی ہنیں سکتا۔

بیگم: لیکن جانتے ہیں آپ، اس ساری لڑائی کی اصل جڑ کون ہے؟

نظیر: ہاں ہاں جانتا کیوں ہنیں ہوں، بس وہی مرغی ہو گی،

بیگم: کون سی مرغی؟

نظیر: اجی وہی تمہاری ماما کی پلکڑی جو پڑوسی خاں صاحب کی ماما نے چرالی تھی۔

بیگم: بس بس ٹھیک سمجھ گئے۔ ذرا آپ ہی پڑوسی خاں صاحب سے مل

کر ان کی ماما کو سمجھانے کے لئے کیوں نہیں کہتے ۔ ایک تو وہ خود چوٹی ہے، اس پر ہمارے نوکروں سے اسے جلا پا رہا ہے ۔ اصل جڑ تو وہ ہے ۔

نظیر: بھئی میں خاں صاحب سے کیسے کہہ سکتا ہوں ۔ الٹا وہ مجھ سے کہیں گے کہ میں اپنی ماما کو سمجھاؤں ۔ لیکن بیگم ذرا سوچو تو بھلا ہم کو ان نچلوں کے قضیئے میں پڑنا زیب دیتا ہے ؟ میں تو کہتا ہوں تم اس بدمعاش کو نکال باہر کرو

بیگم: (طنزاً) اور کل سے میں چولہا چکی میں لگ جاؤں ۔ آپ سے میرا آرام دیکھا ہی نہیں جاتا ۔

نظیر: ارے توبہ، تم یہ کیا سمجھ بیٹھیں ؟

بیگم: تو پھر کون کرے گا چولھا ہانڈی کا کام ؟ کوئی اور آدمی مل جانے پر اسے نکال دو ۔

بیگم: آپ تو بس اپنے ہی نقصان کی سوچیں گے ۔ ایک طرف اس بے چاری کی مرغی گئی اور دوسری طرف اس کی نوکری بھی چلی جائے ۔ بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے ؟

نظیر: یہ شرافت کا تقاضہ ہے بیگم ۔ اپنا نقصان اٹھانے کو ہی شرافت کہتے ہیں

بیگم: لیکن قصور دراصل ان کی ماما کا ہے ۔ وہ حرافہ نہ مرغی چراتی نہ یہ جھگڑا کھڑا ہوتا ۔

نظیر: اس کم بخت مرغی اور اس جھگڑے سے بھلا ہم کو کیا سروکار ۔ میں نہیں چاہتا کے ان ذلیلوں کی وجہ سے ہم شریفوں میں تعلقات خراب ہو جائیں

بیگم: اے ہٹو۔آپ جانتے ہی کہاں ہیں، آپ اصل بات جانیں گے تو آپ کا بھی سر چکرا جائے گا۔

نظیر: (چونک کر) کیا بکتی ہو بیگم!

بیگم: میں سچ کہہ رہی ہوں۔ یہ سارے جھگڑے کی جڑ نہ وہ مرغی ہے اور نہ یہ دونوں مامائیں۔ دراصل اس کی بنیاد ہے خاں صاحب کی بد دماغ بیوی۔

نظیر: یہ کیا کہہ رہی ہو بیگم

بیگم: میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ اس سر پھری عورت کا عالم یہ ہے کہ کبھی کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔

نظیر: لیکن بیگم تم تو ان کی بڑی تعریف کیا کرتی تھیں

بیگم: وہ میری شرافت کا تقاضا تھا ورنہ.......

نظیر: ورنہ کیا، ہوا کیا آخر

بیگم: ہوتا کیا، مجھے بھلا کسی سے کیا لینا؟ لیکن اس نگوڑی کی بدنیتی دیکھئے دن رات دوسروں کے گھروں کی سراغ رسانی کرتی رہتی ہے ہمیشہ اسی کھوج میں لگی رہتی ہے کہ آج کس کے گھر مہمان آئے، کس کے گھر نوکر رکھے گئے، کس کے گھر چین سے گزر رہی ہے اور سارے بھید ہمارے نوکروں سے لیتی ہے۔

نظیر: (کھانس کر) واقعی بیگم یہ تو بدنیتی ہے۔ سراسر بدنیتی ہے۔

بیگم: اور پھر کسی کے بھلے سے خواہ مخواہ جلاپا ایسا کہ دریچوں دروازوں سے لگی کھڑی ہو کر زور زور سے ایسی جلی کٹی سنائے گی کہ سننے والا کتنا ہی شریف کیوں نہ ہو، بھڑک اٹھے۔

نظیر: کوئی ایسی بات ہمارے ساتھ تو نہیں ہوگئی بیگم؟

بیگم: ہو بھی جائے تو میری جوتی پروا کرے ایسے منہ کے ہلکوں کی۔ میں تو بس سب کچھ سن کر سہہ لیتی ہوں۔

نظیر: تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خاں صاحب کی بیوی نے تم کو بھی باتیں سنائی ہیں۔۔ہیں؟

بیگم: اس کی کیا مجال جو ایک لفظ بھی کہہ سکے۔ لیکن ہے بڑی ہلکی۔

نظیر: لیکن بیگم، خاں صاحب تو بڑے ہی شریف اور وضع دار آدمی ہیں

بیگم: ہوں گے۔ میرا مطلب تو صرف اتنا تھا کہ صرف ہم لوگ ہی نقصان کیوں اٹھائیں۔ہماری ماما لڑتی ہے تو لڑنے دیجئے، ان کی ماما بھی لڑتی ہے۔اور پھر ان بے چاریوں کا قصور ہی کیا ہے۔ سارا جھگڑا تو دراصل آپ کے خاں صاحب کی بیوی کا سکھایا پڑھایا ہے۔

نظیر: یعنی تمہارا مطلب اس مرغی کے جھگڑے سے ہے؟

بیگم: جی ہاں یہی مرغی کا جھگڑا۔

نظیر: وہ کیسے؟

بیگم: مرغی ان کی ماما نے نہیں خود خاں صاحب کی بیوی نے چرائی ہے

نظیر: ہائیں، کیا کہتی ہو!

بیگم: اس بدنیت عورت کی آنکھ تھی اس بے چاری کی مرغی پر۔ جس دن مرغی چوری ہوئی ہے، یہ کم بخت مامائیں تو گئی تھیں میلہ دیکھنے۔ شام

ہوگئی ان کے لوٹنے میں ۔ اور وہ بدبخت مرغی خاں صاحب کی مرغیوں کے ساتھ ادھر گئی تو ادھر ہی ہڑپ کرلی گئی ۔ میلے سے لوٹنے پر ہماری ماما بے چاری نے گھر کا چپہ چپہ ڈھونڈ مارا کہیں پتہ نہ چلا تو ذرا ان کے گھر پوچھنے گئی اور بس، خاں صاحب کی بیوی تو غصے سے اس غریب پر جھپٹ پڑیں ۔ اس نے بھلا کہا ہی کیا،

" بیگم صاحب، ذرا دیکھوں تو کہیں آپ کی مرغیوں کے ساتھ میری مرغی تو نہیں آگئی ؟ ہائے ہائے، غضب ہی تو ہوگیا، خود تو سامنے نہیں آئیں اپنی ماما کو اس کے منہ لگا دیا، اور وہ جھگڑا چل نکلا ۔ اور اب تک وہ اپنے دل کا غبار اپنی ماما کی زبان سے نکال لیتی ہیں ۔

نظیر: توبہ، کیا سفاکی ہے ۔ نہایت گرے پڑوں کی سی حرکتیں ہیں

بیگم: اب آپ ہی کہئے کیا قصور ہے ہماری ماما کا ۔ وہ روز تولہ دو تولہ اپنا ہی خون جلا لیتی ہے ۔

نظیر: بیگم، پھر بھی چپ رہنا ہی شرافت ہے ۔

بیگم: ہم چپ ہی تو رہتے ہیں ۔ بس یہ ٹھیک نہیں لگتا کہ اپنی ماما کو لڑنے سے منع کر دیں ۔ نکلنے دیجئے اس کو دل کی بھڑاس

نظیر: لیکن خبردار بیگم جو کبھی ہم ان کے بیچ میں پڑیں شریفوں کے اطوار شریف ہی جانتے ہیں ۔ بس ہمیشہ اپنا دامن بچائے رکھو ۔

بیگم: میں کہاں کسی سے جھگڑتی ہوں ۔

نظیر: بس بیگم بس، یہی ہمارا شیوہ ہونا چاہیئے ۔ چاہے لاکھ کوئی..... (یک

لخت باہر پھر شور بلند ہوتا ہے جیسے لڑائی بہت تیزی سے ہورہی ہے) اف بیگم اف، یہ تو حد ہوگئی، ایسا لگتا ہے، جیسے دونوں آپس میں گتھم گتھا ہوگئی ہیں، اور ایک دوسرے کو نوچ پھاڑ رہی ہیں ۔ (ایک زوردار چیخ سنائی دیتی ہے ۔ نظیر کرسی سے اچھل پڑتے ہیں) بیگم ذرا دیکھنا تو...... ہنیں ہنیں تم نہ جاو وہاں مرنے دوا ہنیں ۔ (نظیر صاحب کی ماما تیزی سے اسٹیج پر آتی ہے ۔ ۳۰ ۔ ۳۵ سال کی عورت ہے ۔ اس وقت اس کے بال بری طرح بکھرے ہوئے ہیں جیسے کسی نے اہنیں خوب نوچا ہو ۔ بدن پر جو میلی ساری ہے وہ بھی ادھر ادھر ہوگئی ہے ۔ گرتا ہوا پلو ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے آتی ہے اور پھولی ہوئی سانسوں میں کہنے لگتی ہے)

ماما: بیگم صاب، ذرا اچ بولئے، یہ سارا جھگڑا میرا ہئور اس مرغی چور کا ہے ۔ پن خاں صاب کی بیگم صاب بیچ میں کائیکو آتے ہوئیں گے ۔ اچھا آئے تو آئے پن آپ کو کچھ کائیکو بولتے ہوئیں گے آپ اور سرکار کیا کریں ان کا:

بیگم: (ذرا غصے سے) کیا بک رہی ہے تو ۔ مجھے اور تیرے سرکار کو کوئی کیا بول سکتا ہے ۔ مجال ہے کسی کی؟

ماما: میں بھی تو ویچ بولرھیوں نا، ۔ وہ دیکھئے، آپچ دیکھئے، ادھر دروازے کو لگ کر، جو جو زبان کو آیا سو بولر ھئیں ۔

بیگم: کیا بول رہے ہیں وہ؟

ماما: ہئور کیا بولتئیں سو، بولرھئیں ہم کو سوب معلوم ہے تیرے سرکار اور تیری بیگم صاب بیٹھے ہمارا سوب کا تماشہ دیکھ رہئیں ۔ تو میں بولی

لوگاں بھی ویسا کائیکو نئیں دیکھتے، بس اِتا ئچ بولی ماں، میرے کو مارنے کو آئیں ------ اور بولنے لگیں لا تیری بیگم صاب کو بلا، تماشہ دیکھنے کا مزہ چکھاتیوں۔

بیگم: (جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی ہو) کیا بولی حرامزادی؟ مجھے کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟

ماما: میں بھی تو وئچ بول رہئیوں نا بیگم صاحب۔ آپ دیکھئے ادھر آئیے

بیگم: اچھا چل۔ اب تو پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے (نظیر سے) میں ابھی آتی ہوں (بیگم تیزی سے باہر کی طرف بڑھتی ہیں)

نظیر: (جھپٹ کر بیگم کو پکڑتے ہوئے) یہ کیا کر رہی ہو بیگم؟ بکنے دو بکنے والوں کو، شرافت سے کام لو۔

بیگم: (طیش میں) بہت ہو چکی شرافت۔ چھوڑئیے مجھے، یہ شرافت نہیں بزدلی ہے وہ لوگ سر پر مرچ پیس رہے ہیں۔ ذرا ٹھیرئیے میں ابھی آتی ہوں (غصے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیتی ہیں)

نظیر: (ناچار ہو کر) توبہ کیا مصیبت ہے، شریفوں کا جینا مشکل ہے اس دنیا میں (بیگم تیزی سے باہر چلی جاتی ہیں نظیر بے چینی سے وہیں ٹہلنے لگتے ہیں ٹہلتے ٹہلتے یک لخت رک جاتے ہیں۔ باہر سے بیگم کی اونچی آواز سنائی دیتی ہے)

بیگم: (جیسے خاں صاحب کی بیوی سے مخاطب ہوں) دیکھئے یہ شریفوں کا شیوہ نہیں ہے کہ اس طرح نوکروں کی لڑائی میں الجھیں۔ میں پہلے بھی بہت کچھ سن چکی ہوں اب زبان روکئے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ یہ شریفوں کا محلہ ہے۔ یہ

اوچھوں کی حرکتیں اچھی نہیں ۔(ساتھ ہی دور سے ایک دوسری خاتون کی آواز سنائی دیتی ہے، لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آتے)

ماما: (بیچ میں زور سے بول پڑتی ہے) ہائے ہائے بیگم صاب انوں تو گالیاں دینے لگئیں ۔ ائیو شریف لوگاں بی ایسے گالیاں دیتیئں بھلا ہائے ہائے میری ماں انوں توکوسنے بی لگئیں ۔ میرے پروردگار۔

بیگم: (ذرا اندر کی طرف آکر) اری تو چپ رہ ۔ میں نپٹ لوں گی ان سے (پھر باہر کا رخ کرتے ہوئے جیسے پھر خاں صاحب کی بیوی سے مخاطب ہوں) خبردار جو آگے کچھ کہا، -- ورنہ ..... آئیے اور سامنے آکر لڑئیے ۔ گھر نہیں ہوا، بازار ہوگیا ۔ آئیے آپ بھی ان ماماؤں کی طرح آکر میرے بال نوچئے ۔

نظیر: (تیزی سے دروازے کے قریب جاکر ذرا سہمی ہوئی آواز میں) بیگم لوٹ آؤ بیگم، لڑنا ہمارا شیوہ نہیں ذرا اپنی طبیعت پر قابو رکھو بیگم

.... ماما کی آواز: ہائے ہائے بیگم صاحب انوں تو سچ مچ آپ کو مارنے آرئیں، ہائیں، چلئے اندر ۔

بیگم: (تیزی سے اندر آتے ہوئے، بے حد طیش میں ہیں، اور سانس سے پھول گئی ہے) دیکھئے ذرا دیکھئے ۔ آپ گھر میں بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں ۔ وہ لوگ شریف نہیں، میں نہ کہتی تھی وہ تو سب سے زیادہ گرے پڑے لوگ ہیں رذیل ہیں ۔ دیکھئے ۔ وہ...... وہ آپ کے خاں صاحب اپنی بیوی کی پشتی پر باہر نکل آئے ۔ انہیں کسی کے پردے کا تو خیال ہوتا ۔ ہائے وہ خاں صاحب بھی میرے سامنے تن کر آگیا ۔

نظیر: (چونک کر) کیا کہا؟ خاں صاحب بھی سامنے آگئے! یہ تو برداشت ہنیں ہوسکتا، حد ہوگئی ہماری شرافت کی۔ بیگم یہ بات میں کبھی برداشت ہنیں کر سکتا اف کس قدر کمینگی ہے۔ کس قدر رذالت ہے۔ میں ہنیں سمجھتا تھا کہ خاں صاحب ایسے سفلے آدمی ہونگے ٹھیرو، میں ابھی آیا۔ خاں صاحب کی خاں صاحبی بھلادونگا۔ کیا سمجھ رکھاہے انہوں نے ہم کو۔

(تیزی سے باہر چلے جاتے ہیں)

ماما: (نظیر کے پیچھے جاتے ہوئے) ہائے سرکار آپ تو بیچ میں نکو جائیے ہائے یہ کیا ہوگیا؟

(نظیر کی آواز) کیوں خاں صاحب آپ تو بے حد کمینے آدمی نکلے۔ وہاں کیا بھیڑیوں کی طرح کھڑے میرا منہ دیکھ رہے ہیں، ہمت ہے تو آگے بڑھئے ذرا میں بھی دیکھوں کہ آپ کیسے خاندانی پٹھان ہیں۔ (جواب میں خاں صاحب کی گرج دار آواز سنائی دیتی ہے، الفاظ سمجھ میں ہنیں آتے)

ماما: (ذرا چیخنے کے انداز میں) سرکار، سرکار آپ ادھر نکو جائیے۔ خاں صاب بھی بہت غصہ میں ہیں،

نظیر کی آواز: (جیسے ماما سے مخاطب ہوں) اری تو چپ رہ میں دیکھ لوں گا ان کو۔ آخر سمجھ کیا رکھاہے ان لوگوں نے۔ بلی کی طرح روز میاؤں میاؤں کرتے ہیں آج شیر کی آواز سن کر دم دبا کر بھاگنا پڑے گا ان کو ہاں آئیے خاں صاحب۔ دل کا ارمان نکال لیجئے۔ آئیے۔

ماما: (دوڑتی ہوئی اندر آتی ہے) ہائے میری ماں۔ بیگم صاحب، آئیے،

خدا کے واسطے آئیے ۔ سرکار پر اب خاں صاحب جھپٹنے والے ہیں ۔ سرکار کو اندر بلا لیجئے ہائے ۔ میں کیا کروں ۔

بیگم: (تیزی سے ادھر جاتے ہوئے) سنئے ۔ اب آپ ادھر آجائیے ۔ بہت ہو چکا ۔ ہم بعد میں یہ معاملہ طے کر لیں گے ۔ بس آجائیے اندر ۔

ماما: ہاں سرکار، اللہ کے واسطے اندر آجائیے ۔ (ماما باہر چلی جاتی ہے)

(نظیر واپس اسٹیج پر آجاتے ہیں ۔ سانس بے قابو ہے ۔ منہ سے کف نکل رہا ہے ۔ ٹھیک سے کچھ کہہ نہیں سکتے ہیں ۔ پھر بھی سینہ تانے ہوئے اور بازو اکڑائے ہوئے ہیں) ۔

نظیر معلوم ہو گیا، کون کتنا شریف ہے ۔ پھٹ گیا بھانڈا ہونہہ ۔ بڑے اکڑتے تھے اپنی وضع داری پر، دیکھ لی دو ٹکے کی شرافت ۔ کمینہ رذیل -----

بیگم: اب چپ بھی رہئے ۔ جو بات ہونی تھی ہو گئی ۔ اب کبھی ان کے منہ نہ لگیے ۔

نظیر: میں کیوں ان کمینوں کے منہ لگنے چلا ۔ اب تو ایک نظر اٹھا کر نہ دیکھوں ان کی طرف ۔ وہ لوگ اس قابل ہی کہاں ۔ آج ان کی ذات معلوم ہو گئی کتنے گھٹیا قسم کے لوگ ہیں ۔ لگتا ہے کہیں بھٹیار خانوں میں پیدا ہوئے ہوں گے

بیگم: خیر خیر، اب جانے دیجئے ۔ میں اس منحوس ماما کو ہی نکال دوں گی ۔ جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا ۔

نظیر: نہیں بیگم، اب ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ۔ ہم اپنی ماما کو کیوں نکالیں -----

وہ یہیں رہے گی ---- اس کا کیا قصور ہے ---- دراصل ان کی ماما چور ہے۔ ان کی ماما ہی کیا، وہ خود سب چور ہیں۔ ان چوروں کی خاطر ہم کیوں مصیبت اٹھائیں۔ تم ٹھیک ہی کہتی تھیں ----

بیگم: لیکن یوں کام نہیں چلے گا۔ جھگڑے تو پھر بھی کھڑے ہوں گے۔ وہ دونوں ضرور لڑیں گی۔ اور پھر لڑائی بڑھے گی۔ تو وہ سب کچھ ہوگا جو آج ہوا ---- اس لئے اب بہتر یہ ہے کے اس ماما کو نکال ہی دیں۔ میں کچھ دن تکلیف سہہ لوں گی۔

نظیر: نہیں بیگم، یہ میرا قطعی فیصلہ ہے۔ اپنی ماما کو میں ہرگز نہیں نکالوں گا ---- بالکل نہیں نکالوں گا۔ بلکہ اس کی تنخواہ بڑھا دوں گا۔ اس نے کم از کم ان بھیڑیوں کے چہرے سے نقاب تو نوچ پھینکی ---- کہاں گئی وہ ----؟

بیگم: وہ پھر باہر چلی گئی۔ ابھی بلاتی ہوں۔ (بیگم باہر جانے کو ہوتی ہیں کہ ماما اپنی ساری کے آنچل میں آنکھیں چھپائے اس طرح داخل ہوتی ہے جیسے رو رہی ہو)

نظیر: تو کیوں رو رہی ہے؟ (ماما رونے لگتی ہے)

بیگم: اری تو رو کیوں رہی ہے؟ (ماما ہچکیاں لیتی ہوئی رونے لگتی ہے)

نظیر: شاید وہ یہ سمجھ رہی ہے کہ آج جو کچھ ہوا وہ اس کی وجہ سے ہوا ---- اری بے وقوف جو کچھ ہوا، اچھا ہی ہوا ---- تیری وجہ سے ہم ان لوگوں کو پہچان تو گئے۔

بیگم: جی ہاں - اسے شاید بھی پچھتاوا ہو رہا ہے - (ماما سے) ---- گھبرا نہیں --- جا، جو کچھ ہوا، ہوگیا بھول جا - (ماما بدستور رو رہی ہے) اری تو کیوں رو رہی ہے آخر، کچھ منہ سے تو پھوٹ بس روئے جارہی ہے --- جا سرکار نے تجھے معاف کر دیا -

نظیر: ہاں، جا، پھر کبھی لڑائی نہیں کرنا -

ماما: نہیں سرکار یہ بات نہیں ہے -

بیگم: تو پھر بات کیا ہے - کہتی کیوں نہیں

ماما: (آہیں بھرنے لگتی ہے جیسے شدید غم میں مبتلا ہو سسکیوں میں) بیگم صاب - بیگم صاب -

بیگم: (قریب جا کر) ہاں ہاں بول اور کیا ہوا -

ماما: غضب ہوگیا، بیگم صاب، غضب ہوگیا -

بیگم: اری کیا غضب ہوگیا ؟

ماما: ہائے بیگم صاب --- کیا بولوں ----- بڑا غضب ہوگیا

بیگم: اری تو صاف صاف بولتی کیوں نہیں کیا آفت آگئی ؟

ماما: (ٹھنڈی سانس بھر کر) ہائے بیگم صاب، وہ خان صاب ---- وہ خان صاب ---- ان کی ماما کو نکال دئے ---- ابی بس ابی ، اس کی چوٹی پکڑ کر اس کو باہر کر دئیں ما ہائے ---- (پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے)

نظیر: (تعجب سے) خان صاحب نے اپنی ماما کو نکال دیا .... تو .... خاں صاحب گویا ...... بھئی واہ توبہ، یہ سب کچھ کیا کر دیا ہم نے -

بگیم: (ماما سے) تو سچ کہہ رہی ہے۔؟

ماما: (روتے ہوئے) ہسو بگیم صاب، ابی ابی وہ روتے ہوئے جارہی ما۔ ہائے کیا ہوگیا۔ (پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے)

بگیم: اری تو کیوں اتنا رو رہی ہے تیرے جی کا جنجال چھوٹا، اچھا ہی ہوا

ماما: نئیں بگیم صاب، جنجال نئیں---- یہ تو بھوت برا ہوا---- بھوت برا ہوا---- میری وجہ سے اس غریب کی روزی مارے گئی نا--- اس سے بھلا میرے کو کوئی دشمنی تھی؟ بگیم صاب ہم دوستاں بی تھے ہور دشمناں بی--- پن کیا کرنا ذرا لڑ کر دل بہلا لیتے تھے--- اب کس سے لڑیں گے بگیم صاحب، (دھاڑیں مار کر رونے لگتی ہے نظیر اور بگیم تعجب سے اسے تکنے لگتے ہیں)

(پردہ)

کسان ولا

کردار

(۱) رولاں ایک نوجوان

(۲) شبی اس کا رشتہ دار

منظر: (ایک پرانے قسم کی خوبصورت وجیہہ عمارت، اس میں بنی ہوئی ایک خواب گاہ۔ عقبی دریچوں پر رنگین پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اس وقت خواب گاہ میں مدھم سی روشنی ہے۔ ایک خوبصورت لیمپ جس سے ہلکی نیلی روشنی پھیل رہی ہے چھت سے لٹکا ہوا ہے---- جب پردہ اٹھتا ہے تو رولاں ایک مہین سا شب خوابی کا لباس پہنے ایک دریچے سے لگی اس طرح باہر دیکھ رہی ہے جیسے دور کہیں وہ کسی کو تلاش کر رہی ہے۔ رولاں بہت ہی دلکش حسین اور جوان ہے، اس وقت وہ کچھ عجیب اضطراری کیفیت میں مبتلا ہے ---- غم زدہ بھی ہے، مسکرا بھی پڑتی ہے اور کبھی اس کی روشن جبیں سے فکر وفہم کے غرور کا اظہار بھی ہوتا ہے---- پل بھر میں رو پڑتی ہے، پل بھر میں ہنس دیتی ہے۔ اس سے کچھ دور لیمپ کے قریب شبی کھڑا ہے۔ چھریرے بدن کا نوجوان۔ چہرے سے کچھ ہراساں ہراساں۔ آنکھوں پر بہت ہی چوڑے فریم کی عینک ہے اور ہلکا اودا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے ہوئے ہے۔ پردہ اٹھنے کے بعد کچھ

دیر بالکل خاموشی رہتی ہے ---- اس خاموشی میں) ۔

رولاں = (باہر ہی دیکھتے ہوئے) ۔ شبی!

شبی = ہوں!

رولاں = یہ ہلکی ہلکی چاندنی ہی ہے نا؟ ---- وہ دور کی نیلگوں پہاڑیوں تک پھیلی ہوئی ----

شبی = ہاں ۔

رولاں = (شبی کی طرف پلٹ کر) دیکھو اس سرسبز و شاداب وادی میں بنی ہوئی اس مضبوط اور وجیہ عمارت کا نام کتنا عالمگیر ہے ---- کسان ولا ۔ (مسکرا پڑتی ہے پھر کچھ بلند لہجے میں) سنا تم نے؟ کسان ولا (طنزیہ انداز میں کچھ زور سے ہنس پڑتی ہے اور پھر اچانک ایک دکھ بھرے اضطراب کے اظہار میں اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر، تھکے تھکے لہجے میں) ۔ کسان ولا ---- (دریچے کے پردے کو پھر تھام کر) جانتے ہو نا یہ ولا یہ شاندار محل کس نے بنایا تھا؟

شبی = ہاں ۔

رولاں = (غصہ سے) ہاں --- کیا ہاں؟ کہتے کیوں نہیں کس نے بنایا تھا یہ محل --- (اور اونچی آواز میں) کس نے؟ یہ دیکھو، اسے دیکھو ۔ (دیوار پر لگی ایک بڑی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس نے اس بڑے انسان نے، اس عظیم انسان نے --- (اسی غصیلے انداز میں دیوار سے تصویر کو کھینچ کر نکالتے ہوئے، شبی کو بتاتی ہے) دیکھو اس تصویر میں رنگ ہیں یہی وہ سارے رنگ ہیں جو میری رگوں میں خون بن کر دوڑ رہے ہیں ۔ دوڑ رہے ہیں ----

آہ میرا باپ --- کتنا عظیم معمار حیات تھا وہ! ایک بدیسی ---- دس ٹکے کا مزدور ---- اپنی محنت و مشقت سے کروڑوں کا مالک بن بیٹھا۔ جو فطرت میں ظالم بھی تھا اور حاتم بھی --- اس ساری وادی کا حاکم بن بیٹھا --- یہ ---- یہ ؟ - کیا ہے اس تصویر میں ؟ - ان رنگوں میں دیکھو -------- کچھ بھی تو نہیں ----

(غصے سے تصویر ایک طرف پھینک دیتی ہے)

شبی = (ٹھہرے لہجے میں) رولاں!

رولاں = (روہانسی ہو کر، اپنے پیروں کو پٹکتے ہوئے) نہیں، نہیں، شبی نہیں (چپ چاپ تیزی سے اس کی طرف بڑھتی ہے، پھر رک جاتی ہے)

اف - کتنا وجیہہ دلیر اور مضبوط تھا وہ انسان ---- ۸۵ سالوں تک پورے زور و شور سے سانس لیتا رہا - اور پھر اچانک آخری سانس نے ایک مسکراہٹ بن کر اس کے ہونٹوں پر بسیرا کر لیا اور اس مسکراہٹ میں ایک ہی اعلان تھا ---- "میں خودساز آدمی ہوں - میں خودساز آدمی ہوں،"

شبی = (رولاں کے قریب جا کر پہلے تو کچھ کہتے کہتے جیسے رک جاتا ہے - پھر) ---- دیکھو رولاں ----

رولاں = (کہیں اور دیکھتے ہوئے) کیا ہے ؟

شبی = (بہت ہی سنجیدہ لہجے میں) - تم نے بہت بڑی غلطی کی رولاں، بہت بڑی غلطی، جو تم یہاں لوٹ آئیں - تمہارے باپ کی موت کے بعد تو یہ سارا ولا اجڑ چکا تھا - بھائیں بھائیں کرتا تھا - کیا رکھا تھا یہاں جو تم لوٹ آئیں -

رولاں = یہاں ؟ (چاروں طرف دیکھتے ہوئے) یہاں سبھی کچھ تھا، شبی۔ سبھی کچھ۔

شبی = لیکن وہاں بھی تو سب کچھ تھا۔ تم نے تو بچپن سے جوانی تک اپنی ساری زندگی ان ولایتی ملکوں میں گزاری تھی — نئے رنگ اور نئی روشنیوں کے ملکوں میں----

رولاں = ہاں شبی۔ یہ سچ ہے۔ لیکن زندگی ساری تو صرف دھواں ہی دھواں ہے۔ خواب ہی خواب (پیش منظر کی طرف آتے ہوئے، کھوئے ہوئے لہجے میں) ولایتی ملک--- ہاں ولایتی ملک---- وہاں میں نے ڈان وان کے خواب دیکھے تھے--- پرنس آف ڈنمارک کی میں نے دیوانہ وار تلاش کی تھی --- عطر و عنبر میں بسانے کی طرح، کیٹس کی شاعری میں اپنے نازک سے نازک اور لذت آمیز احساسات کو بسالیا تھا---- میر اور غالب کو پڑھ کر جسم و جاں میں ہر قسم کی کسک اور لہک پیدا کرلی تھی۔ عمر خیام کے خمار بے حساب کو اپنی روح اور اپنے بدن میں ایک بجلی کی طرح تڑپتا اور کوندتا پایا تھا۔

(وہ دھیرے دھیرے پھر دریچے کی طرف چلی جاتی ہے شبی چپ چاپ کھڑا ہے)

بس دھواں ہی دھواں۔ خواب ہی خواب۔

(دو لمحے دونوں اپنے خیالوں میں غرق نظر آتے ہیں--- عجیب خاموشی ہے)

شبی = (کچھ صاف لہجے میں)۔رولاں---! (یہ کہتے ہوئے وہ لیمپ کی بتی کم کردیتا ہے۔کمرے میں روشنی مدھم ہوجاتی ہے)

رولاں = (اکتائے ہوئے انداز میں) No -- No -- No شبی۔

شبی = کیوں کیا ہوا؟

رولاں = میرا ایک عاشق تھا۔

شبی = تو کیا ہوا؟ میں نے بھی عشق کئے ہیں، پانچ، تم میرا چھٹا عشق ہو۔

رولاں = (اچانک پلٹ کر غصے میں شبی کے گال پر ایک تھپڑ جڑ دیتی ہے شبی کا چہرہ لمبوترہ ہو جاتا ہے ---- اس کی عینک نیچے کھسک آتی ہے --- وہ کچھ نہیں کہتا --- پل بھر رولاں کو دیکھتا ہے اور لیمپ کی روشنی بڑھا دیتا ہے۔ رولاں کھڑکی کی طرف پلٹ جاتی ہے۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں)۔

رولاں = دیکھو۔ ان نیلی چمکتی وادیوں سے اتر کر ایک زرتار پگڈنڈی میرے دل تک پہنچ رہی ہے۔ وہ دیکھو --- دور ---- دور --- وہاں ---- دور --- (کھڑکی کے پردوں سے لٹک جاتی ہے)۔ اف۔!

(اچانک دور سے ایک گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آواز آنے لگتی ہے --- کچھ لمحوں بعد قریب آجاتی ہے۔ اور اس کھڑکی سے باہر قریب کہیں رک جاتی ہے ---- رولاں گھبرائے ہوئے انداز میں)۔ اوہ ---- اوہ، شبی وہ آگیا ---- وہ آگیا ---- دیکھو، وہاں ٹھہر گیا ہے۔ وہاں --- ہاں ---- (کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے چیخ پڑتی ہے)۔ آجاو ---- آجاو ---- یہاں کوئی نہیں --- آجاو ------- (اچانک پھر گھوڑے کی آہستہ آہستہ چلنے کی صدا سنائی دیتی ہے۔ کچھ دیر واضح سنائی دے کر دھیرے دھیرے مدھم پڑجاتی ہے جیسے اب وہ صدا دوسری طرف چلی گئی ہے۔ اور فضاوں میں تحلیل ہو رہی

ہے ---- خاموشی چھا جاتی ہے ---- اپنے دونوں ہاتھ فضاء میں پھیلا کر اس طرح یکبارگی کراہ اٹھتی ہے جیسے سینے میں ایک شدید درد اٹھ کر تھم گیا ہو۔ پلٹ کر وہ شبی کی طرف دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھیں خون آلود ہیں ---- پھر آہستہ آہستہ رولاں کے ہونٹوں پر تبسم پھیلنے لگتا ہے)۔

رولاں = (تبسم کے ساتھ۔ کچھ لہجہ بدل کر) شبی! تمہارا چہرہ کتنا لمبوترہ ہے۔ (ہنس پڑتی ہے، شبی بھی مسکرا پڑتا ہے)۔ تم کتنے دبلے آدمی ہو۔ اس پر تمہارا رنگ ---- اف جیسے ابھی پیدا ہوئے ہو۔ نہ کالا نہ گورا۔

(ماحول کے تناؤ کو کم ہوتا ہوا محسوس کرتے ہوئے شبی نیچے فرش پر بیٹھ جاتا ہے)۔

شبی = بس رولاں بس۔ بہت تعریف ہو چکی میری ---- ایک بات کہدو ---- ایک بار کہدو۔ اور صاف صاف کہدو۔

رولاں = (کچھ ہنستے ہوئے) تم اپنا ہی مذاق تو نہیں اڑا رہے ہو۔ (اچانک وہ آگے بڑھ کر شبی کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے اور فرش پر بیٹھ جاتی ہے)۔ تم کیا سمجھو گے؟۔ مجھ سے تھوڑے بڑے تو ہو گے تم؟ لیکن کیا سمجھ سکو گے؟۔ دیکھو۔ تمہاری آنکھوں کی نمی بھی میرے دل میں ایک جذبے کو ابھارتی ہے۔ اور وہ جذبہ ہے رحم کا۔ جذبہ، رحم سے بھی محبت جنم لیتی ہے ---- تم کو بھی چاہوں گی۔ تم کو بھی اپنا بناؤں گی۔

(شبی کا ہاتھ چھوڑ کر وہ آنکھیں جھکا لیتی ہے۔ پھر اچانک کھڑی ہو کر کھڑکی کے پاس چلی جاتی ہے اور کچھ اتنے زور کا قہقہہ لگاتی ہے کہ شبی بھی سہم کر

کھڑا ہو جاتا ہے۔ اونچی آواز میں) سچ سچ بتاؤ شبی۔ وہ سب کچھ کہاں ملتا ہے۔ کہاں ملتا ہے؟

(وہ آگے بڑھ کر شبی کے شانوں کو پکڑ کر ہلانا شروع کر دیتی ہے)

وہ سب کچھ کہاں ملتا ہے جسے کہتے ہیں سکون ---- خوشی ----- زندگی ---- (شبی سے دور ہٹتے ہوئے) اف، میں نے کیا، کچھ نہیں پایا۔ اور کیا کچھ نہیں کھویا۔ لیکن نہ پانے میں کچھ ملا نہ کھونے میں ---- میں نے کیا کچھ کیا اور کیا کچھ نہ کیا۔ لیکن نہ کرنے میں ہی کچھ ملا نہ کرنے میں ----

شبی = لیکن ----

رولاں = جانتی ہوں، تم مجھے کتنی ترسی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ تمہاری نظروں میں کتنا کرب ہے، کتنا درد ہے --- کتنا دردناک نشہ ہے۔ اور اس نشے کی تہ میں تم کتنے پیاسے ہو ---- بھوکے ہو، مجھے پانے کے لئے ---- آہ ----

(وہ کھڑکی کی طرف پلٹ کر باہر دور آسمانوں میں دیکھنے لگتی ہے)

شبی = (پر اعتماد لہجے میں)۔ رولاں ---- دیکھو نا، تمہارا یہ آبنوسی بدن!۔

رولاں = (پلٹ کر اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے) آبنوسی بدن!!

شبی = ہاں۔ باہر کی ہلکی چاندنی جوان رنگین پردوں سے گذر کر اندر چلی آرہی ہے نا، وہ یہاں ایک مدھم رنگ بکھیر رہی ہے اور۔ اور اس رنگ میں

تمہارا لباس کہیں نظر ہنیں آتا---- صرف تم نظر آرہی ہو۔ لباس، سے دور۔ تمہارا ہر خد و خال ترشا ہوا لگ رہا ہے---- آبنوسی---- اس لئے۔ اس لئے میں یہ قندیل بجھا رہا ہوں---(روشنی کچھ کم ہو جاتی ہے)

رولاں = (دلربا انداز میں ہنستے ہوئے) میں بے لباس لگتی ہوں نا؟ لیمپ روشن کردو۔

شبی = ہنیں، میں لیمپ بجھا رہا ہوں۔

رولاں = تم کو معلوم ہے میں شادی شدہ ہوں۔

شبی = (پورے اعتماد کے ساتھ) مجھے معلوم ہے۔

رولاں = شبی کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے) تم کو معلوم ہے میں نے کتنی شادیاں کی ہیں؟

شبی = مجھے اس سے غرض ہنیں۔

رولاں = (چونک پڑتی ہے۔ اس کے ماتھے پر بل ابھر آتے ہیں) لیکن کیا تم یہ جانتے ہو کہ میں نے ساری ہی زندگی ان ولایتی ملکوں میں کیسی گزاری ہے؟

شبی = میرے لئے تو تم ایک ایسا پھول ہو جو ابھی ابھی کھلنے کو ہے۔

رولاں = (کچھ جھلائے انداز میں) ہنیں ---- ہنیں ---- ہنیں ---- یہ سب غلط ہے--- غلط ہے--- شبی۔ تم کو کچھ ہنیں معلوم، میں جب پھول بنی تھی تو میری، خوشبو ایک زہر بن کر میرے اندر اتر گئی تھی۔ وہ، زہر اب میرے، اندر ہے۔ میری نس نس میں ہے---- میرے باپ نے

میرے لئے لاکھوں کا ڈھیر لگا دیا تھا۔ کیا کمی تھی مجھے۔ بدیسی ملکوں کے ان رنگ برنگے، جگمگاتے پراسرار شہروں میں کیا کچھ ہنیں تھا۔ پیسہ ہی پیسہ ----- عیش ہی عیش

شبی = (کچھ چڑ کر) پیسہ ہی پیسہ ---- عیش ہی عیش --- مجھے۔ مجھے کچھ ہنیں چاہیئے۔

رولاں = (کچھ غصے میں) چپ رہو۔ تم کو بھی یہی سب کچھ چاہیے۔ جانتے ہو تم؟ (ایک پر لطف لہجے میں) بیروت اور پیرس کی رس بھری اور نشیلی راتوں نے مجھے جی بھر کر لوٹا ----- ہیم برگ میں ریبابان کی مدہوش راتوں نے، میری نیم ہوشی میں، میرے جسم کے ایک ایک عضو سے داد عیش حاصل کی سرور ہی سرور۔ لذت ہی لذت --- لندن کے سوہو سرکس کی تو میں ملکہ شب مانی گئی --- ڈنمارک گئی تو کوپن ہیون کی عیاشیوں نے میری عریانیوں کو روند روند، ڈالا۔

شبی = (کچھ غصے میں) بند کرو یہ سب کچھ۔

رولاں = (پر یقین لہجے میں) ہنیں شبی۔ تم کو سننا پڑے گا۔ جانتے ہو۔ مجھے پریزاد ملے ---- خوبصورت رنگیلے من موجی نوجوان ---- ساری شان مردانگی اور دیوانگی لئے ہوئے --- مجھے کیا کچھ نہ ملا۔ لیکن ان سب کے ملنے کے بعد بھی وہ سب کچھ ہنیں ملا جس کی مجھے ایک تلاش تھی۔ کھوج سی تھی۔ (بہت جذباتی ہو گئی ہے) اف ---- میں ---- میں --- (آہ کہتے ہوئے، بہت ہی زور سے چیخ پڑتی ہے۔ اور وحشت کے اظہار میں اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا

دیتی ہے---- دو گھڑی بالکل سناٹا چھا جاتا ہے۔ (بہت ہی تھکے تھکے لہجے میں)
شبی---- مجھے کوئی صرف یہ بتادے کہ میں زندگی سے کیا چاہتی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم مجھے کس چیز کی تلاش ہے---- لیکن مجھے تلاش ہے---- اس تلاش میں میں نے کتنے دل والوں کے دل ٹٹولے۔ خوبصورت نوجوانوں کو خریدا۔ ان سے بیاہ کیا۔ بن بیاہے بھی کتنوں کے ساتھ رنگ بھری راتیں گزاریں ---- مجھے اونچے اونچے فنکار ملے---- بڑے بڑے مفکر و شاعر ملے---- میرے لئے شعر کہے گئے ---- میری تصویریں بنائی گئیں، میرے بت تراشے گئے---- لیکن---- (کچھ دیر چپ ہو جاتی ہے)

میں تو اپنی تلاش میں بڑے بڑے قحبہ خانوں میں پہنچ گئی---- اپنی مرضی سے---- اپنی خوشی سے بازاری عورت بن گئی۔ کسبی! لاکھوں کی مالک ہو کر بھی میں نے اپنا، سودا کیا۔ اور اپنے گاہکوں سے اجرت لی۔ ان کی مار کھائی، اوران کے ظلم سہے---- لیکن---- (چپ ہو جاتی ہے)

اف تم کہو گے میں کتنی بے شرم ہوں۔ بے حیا ہوں۔ فحش ہوں۔ گری ہوئی ہوں---- لیکن ------- (کچھ رک کر) ------- ہونہہ ------- آج اس کمرے میں تم میرے ساتھ ہو تو میرے بدن پر لباس بھی ہے---- ورنہ----

شبی = رولاں!! تمہاری ان باتوں سے تو میرے اندر ایک لیمپ بھڑک اٹھا ہے---- روشنی---- میرے اندر ہر طرف روشنی۔!

رولاں = (لہجے میں ایک لذت پیدا کرتے ہوئے) تم مجھے چاہتے ہو نا؟

میرے سارے وجود کو اپنانا چاہتے ہو نا؟ تمہاری جلتی آنکھوں پر، تمہارے سوکھے ہونٹوں پر مجھے ترس آتا ہے۔(ایک دلفریب ہنسی کے ساتھ) تم کو میں پیاسا نہیں ماروں گی۔ شاید تمہارے ہی پاس مجھے وہ سب کچھ مل جائے جس کے لئے میری روح اب تک بھٹک رہی ہے۔

شبی = (بے قابو ہو کر) بس رولاں، بس۔(اپنے سینے پر ایک انگلی رکھ کر یہاں دیکھو--- بالکل یہاں، میری جان ہے۔بس اسی وقت، اسی لمحے تم یہ جان لے لو۔ بس اتنا رحم کردو یا کرم، میری اس جان کو، اس پھانس کو نکال لو۔

رولاں = (بڑی ہی تیزی سے شبی کی طرف بڑھتی ہے اور اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیتی ہے---- جذباتی انداز میں) چپ رہو--- چپ رہو---- ایسا نہ کہو۔ تمہاری یہ بات کہ "مجھ پر رحم کردو اور یہ جان لے لو میرے اندر گونج گئی ہے۔بس یہی بات تو تھی جو میں نے اسوقت پہلی بار سنی تھی جبکہ پہلے پہل میں زندگی کا تروتازہ پھول بن کر کھل اٹھی تھی----

(اوپر نظریں اٹھائے، کھوئے ہوئے انداز میں)

ایک خوبرو نوجوان تھا۔اسی بستی کا۔گبرو کسان۔ تیز و طرار۔ شب رنگ گھوڑے کا شہسوار۔اپنے سرپٹ گھوڑے کو دوڑتا ہوا اس ولا کی گیٹ کے سامنے سے گزرتا تھا۔ مسکراتا ہوا انہی دنوں میں یورپ سے یہاں آئی ہوئی تھی۔اس شہسوار سے ملنے۔اس نے پہلی ہی نظر میں مجھ سے التجا کی تھی" رحم کردو اور یہ جاں لے لو---- آہ---- انہی لمحوں میں میری زندگی نے قسم

کھائی تھی کہ اس کی جان لے لوں گی۔

(ایک ناقابل برداشت اضطراب کی کیفیت میں وہ کھڑکی کی طرف جاتی ہے۔ باہر جھانکتی ہے۔ پھر اسی بے چینی کے ساتھ پلٹ کر شبی کے پاس آتی۔ اس کے شانوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر وحشت زدہ انداز میں)

پھر--- پھر۔ شاید اس بات کو ایک وِش بھری پون لے اڑی اور میرے باپ کے کانوں میں وہ وش گھول گئی--- آہ، شبی! پھر وہاں۔ دور ایک گولی چلی تھی، ایک چیخ گونج اٹھی تھی۔ اور پھر ان وادیوں میں گونج کر وہ چیخ ہمیشہ کے لئے کہیں کھو گئی تھی--- ان وادیوں میں جہاں سے آج رات بھی وہ شہسوار گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اس گیٹ تک آیا تھا--- آیا تھا نا۔ اور یہاں سے ان ڈھلوانوں کی طرف اتر گیا تھا--- وہ--- وہ اسی طرح عمروں یہاں سے گزرتا رہے گا اور میں اسے ڈھونڈتی رہوں گی--- (اپنے ہاتھ آگے پھیلا کر) لو۔ میرے سارے بدن کو نوچ ڈالو۔ ایک بوند بھی خون نہیں نکلے گا۔ میں پتھر ہوں۔ بالکل پتھر---

(رولاں سر جھکائے کھڑی ہے۔ ہر طرف خاموشی ہے۔ شبی اسے گھورے جا رہا ہے--- کچھ نہیں کہتا--- کچھ دیر بعد رولاں سر اٹھا کر، صاف لہجے میں)

اس کے بعد۔ میرے باپ نے اس محل کا نام رکھا تھا--- "کسان ولا"--- اور اسی محل کے کسی تاریک تہہ خانے میں اس نے اپنے اندر کی کسی چیز کو ہمیشہ کے لیے دفنا دیا تھا۔ اور برس ہا برس جی گیا تھا---

(کونے میں پڑی ہوئی وہی تصویر اٹھا کر دیکھنے لگتی ہے) ۔

یہی ہے نا وہ ---- یہی ہے ---- میں نے انتقام لیا ہے (بلند آواز میں) انتقام ۔ اس سے ۔ میں نے اپنے اندر ایک رچی رچائی ہتذیب کو تہہ و بالا کرڈالا ۔ تاراج کرڈالا دل و دماغ میں بنائے ہوئے محلوں کو اجاڑ ڈالا ۔ اب ہر در و دریچہ بھائیں بھائیں کرتا ہے ۔

(غصے میں تصویر نیچے پھینک دیتی ہے ۔ اور اپنے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لئے رونے لگتی ہے ۔ کچھ دیر سناٹا چھا جاتا ہے --- اور اس کی ہچکیاں سنائی دیتی ہیں) ----

شبی = (رولاں کو اس طرح گھور رہا ہے جیسے اس کی آنکھوں میں بھی نمی ہے بڑے ہی گہرے لہجے میں) ۔ آؤ رولاں مجھ سے قریب آجاو ۔

رولاں = (سنجیدہ لہجے میں) دیکھو، چاہو تو لیمپ کو اور روشن کرلو --- یہ میرے بدن کا محل جو تم دیکھ رہے ہو نا، بہت ہی خوبصورت در و دیوار ہیں اس کے --- حسین محراب ہیں ---- یہ محل تمہارا بھی ہو سکتا ہے، رہ بس کر دیکھ لو ------

(اچانک دونوں کے قہقہے سنائی دیتے ہیں ۔ رولاں اس طرح ہنستی ہے جیسے اس کے سینے کی پھانس نکل گئی ہو ۔ اور شبی اس طرح ہنستا ہے جیسے اس کو اپنے آپ پر کوئی یقین ہنیں ۔ دونوں باہیں پھیلائے ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں ۔ رولاں کچھ نشیلی اور کچھ درد بھری آواز میں) دیکھو شبی تم تو اب اندر تک جل چکے ہو ۔ دو گھڑی میں تم مر جاوگے ---- آو ---- دیکھو ۔

یہاں ---- (اپنے سینے کے قریب ایک انگلی رکھ کر) بالکل یہاں، اس لباس کا بند ہے ----- کھول لو ----- آہ! (وہ لیمپ کی بتی بجھا دیتی ہے)۔

(یکلخت اسٹیج پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ خوابگاہ کے کھلے دریچوں سے ہوا کے جھونکے آنے لگتے ہیں ---- کچھ دیر اس طرح ہوائیں چلتی رہتی ہیں ---- پھر آہستہ آہستہ اسٹیج پر بہت ہی ہلکی سپیدی سی چھانے لگتی ہے جو کھڑکی کے باہر بھی نظر آنے لگی ہے ----- اس دھندلکے میں، رولاں فرش پر اس طرح بے سدھ پڑی نظر آتی ہے جیسے وہ ----- بے لباس سی ہے -- شبی کہیں نظر نہیں آتا ہے)۔

(پردہ)

آزادیٔ نسواں

کردار

(۱) ڈاکٹر شانتا

(۲) پھپھی ڈاکٹر کی منہ چڑھی انٹنڈنٹ

(۳) پیتا (ڈرپوک عورت)

(۴) مسٹر پل Mr. Pill

(۵) کانتا (دوسری ڈرپوک عورت)

(۶) کانتا کا پتی

منظر = (ڈاکٹر شانتا کا کلینک۔ اسٹیج پر سامنے ایک ٹیبل رکھا ہے اور اس کو لگی ہوئی ایک کرسی۔ دوسری طرف سامنے ایک کرسی اس طرح رکھی ہے جیسے باہر سے آنے والا آکر اس پر بیٹھ سکتا ہے اور ڈاکٹر سے بات چیت کر سکتا ہے۔ اسٹیج کی داہنی طرف ایک اور چھوٹا سا ٹیبل ہے جس پر کلینک کا مختلف سامان جیسے کچھ Trays ، کچھ سرنج وغیرہ رکھے ہیں۔ بائیں طرف اسٹیج کی پچھلی دیوار کے قریب ایک تپائی ہے جس پر ایک Microscope رکھا ہے اور اس کو لگی ہوئی ایک کرسی ہے یا ایک تپائی ہے۔

کلینک کا نام ہے۔ Womens Lib Research Institute جو بڑے ہی نمایاں حروف میں لکھکر نمایاں جگہ لگایا جائے۔ داہنی طرف ایک Slogan لکھا ہے۔

" Equality, freedom and cordial Relationship."
(No Fraternity)

اور بائیں طرف ایک Slogan لکھا ہوا ہے

" No More Male Domination"

جب پردہ اٹھتا ہے تو ڈاکٹر شانتا اسٹیج پر بے چینی سے ہٹلتی ہوئی نظر آتی ہے اور اس کے پیچھے اس کی Attendent بھی ہٹلتی رہتی ہے۔ ڈاکٹر شانتا کچھ غصے میں ہے۔ اس کے ہاتھ میں آج کا اخبار ہے اور اس کی عینک اس کے ماتھے پر چڑھی ہوئی ہے۔ اس کی عمر ۵۰ سے اوپر ہے۔ اس کی Attedent کا نام چھمی ہے)-----

چھمی = کائیکو میم صاب، آپ اتنے پریشان کائیکو ہیں۔

شانتا = تو نہیں جانتی چھمی، افوہ It is too much

چھمی = ٹو مچ بولے تو۔

ڈاکٹر = تو چپ رہ۔

چھمی = اوئی، میں کائیکو چپ رہوں۔

ڈاکٹر = یہ دیکھ آج کے اخبار میں کیا لکھا ہے۔ (اخبار کھول کر پڑھتی ہے)

Bill for consolidation of Husband's Rights,

To be moved in parliament

چھمی = بولے تو؟

ڈاکٹر = پتی کے ادھیکار کو اور مضبوط کرنے کا قانون بنا رہے ہیں یہ ڈرپوک مرد لوگ۔

چھمی = تو بنانے دیو۔ کتّا بھی کرے تو کیا ہوا---- سارے مرداں

رات کو تو گھر کو ڈر ڈر کے آتیں۔

ڈاکٹر= ہنیں۔ تو ہنیں سمجھی۔ میں یہ Problem solve کر کے رہوں گی۔

(سیدھے میکروسکوپ کے پاس جا کر بیٹھتی ہے اور میکروسکوپ میں دیکھتی ہے۔ لچھمی دوسرے ٹیبل کے پاس جا کر سرینج وغیرہ صاف کرتی ہے۔ ڈاکٹر اس کو آواز دیتی ہے)

ڈاکٹر= لچھمی، لچھمی ---- او لچھمی۔

لچھمی= ابّا، کائیکو چیخ رئیں۔ لچھمی مرگئی تو کیا کریں گے؟

ڈاکٹر= لچھمی، میری عینک کہاں ہے -----؟

لچھمی= (اس کی طرف دیکھ کر زور سے ہنستی ہے)۔

ڈاکٹر= ہنس رئی کائیکو۔ میری عینک کہاں ہے؟

لچھمی= (ٹیبل سے ایک چھوٹی سی بوتل اور پانی کا گلاس اٹھا کر ڈاکٹر سے) ذرا منہ کھولو۔

ڈاکٹر= میں عینک پوچھ رہی ہوں اور تو منہ کھولو بولتی ہے۔ کیا عینک میرے منہ میں ہے؟

لچھمی= سچ بولے ناجی میم صاب، تم کچھ بھول گئے تو تم کو یہ گولی کھلانا ---- چلو منہ کھولو، اچھی بچی ----

(ڈاکٹر منہ کھولتی ہے اور لچھمی گولی منہ میں ڈال کر پانی پلاتی ہے) آ--- آں---- اب یاد آیا عینک کاں ہے سو----؟

ڈاکٹر = ہنہیں۔

لچھمی = (ہنستے ہوئے اس کے ماتھے پر سے اس کی عینک اس کی آنکھوں پر سرکا دیتی ہے۔ دونوں ہنستی ہیں۔

ڈاکٹر = (پھر میکروسکوپ پر جھک جاتی ہے۔ اور غور سے دیکھتی رہتی ہے۔ لچھمی اپنے ٹیبل پر چلی جاتی ہے------ دو گھڑی بعد شاناتا خوشی سے چیخ پڑتی ہے)۔ لچھمی------ او، لچھمی مل گیا---- اوہ ڈیر لچھمی، مل گیا----

لچھمی = کیا آپ کا ٹامی مل گیا؟

ڈاکٹر = اوہ، No لچھمی، ۔آج مجھے وہ سب کچھ مل گیا جس کے لئے آج دنیا کی ساری Lady Scientists کام کر رہی ہیں---- اوہ لچھمی!

It is a wonderful achievement, Really wonderful

لچھمی = مگر میرے کو بھی تو بتاو میم صاب کیا مل گیا۔

ڈاکٹر = (بہت خوشی سے) تو جانتی ہے لچھمی، مجھے ایک ایسی عورت کا خون مل گیا ہے جس میں Husband کے Fear کا Percentage --- بالکل Nil ہے---- اوہ بالکل Nil ۔آہ، کیا بات ہے----

لچھمی = بولے تو مرد ذات کا کوئی ڈر چ نئیں۔؟

ڈاکٹر = ہاں، بالکل نئیں----- Percentage Nil -----

مگر----- مگر لچھمی، یہ کس کا خون ہو سکتا ہے؟۔

لچھمی = ہئو، میں بھی وہیچ بولرئیوں---- یاں کے تو سب عورتوں میں ڈر زیادہ خون کم ہے۔

ڈاکٹر= میں سمجھتی ہوں یہ خون، اس عورت کا ہے جس کے مرد کو دنیا والے جورو کا غلام بولتے ہیں۔

چھی= ائے ہے، اِتّوں میں بھلا کون مرد ہے جو جورو کا غلام نئیں ہے۔

ڈاکٹر= وہ بات الگ ہے---- تم کو نہیں معلوم، جب سے ناری نے جنم لیا ہے، پُرش نے اسے اپنا غلام بنالیا ہے۔ اس لئے میں پوری کوشش کررہی ہوں کہ پرش کی غلامی سے ناری کو پوری آزادی مل جائے اور دونوں برابر ہوجائیں---- Equality ----- بس میں یہ کرکے رہوں گی۔

چھی= تو کیا میں بھی میرے راملو سے آزاد ہوجاوں گی---- نا بابا، مجھے نکو تمہاری آزادی۔

ڈاکٹر= تم کو کیا معلوم، ناری پر کیا کیا ہتیاچار کئے ہیں پرش نے---- لیکن چھی، میں نے اپنی پوری لائف اس ریسرچ میں گذاردی ہے۔ اورآج مجھے آخر وہ سب کچھ مجھے مل گیا---- اف!! بس اب ایک بات رہ گئی۔

چھی= کیا ہے

ڈاکٹر= اب مجھے اس عورت کے خون کی ضرورت ہے۔

چھی= وہ کونسی بڑی بات ہے، اس عورت کو بلاکے اس کا پورا خون نکال لیں گے اور رکھ لیں گے۔

ڈاکٹر= ٹھیک ہے---- لیکن (خوش ہوکر) اُف---- وہ، تم کیا سمجھتی ہو آج میں کتنی خوش ہوں----! اب میرے ریسرچ کی رپورٹ جب پریس میں جائے گی تو دنیا بھر کے پریس رپورٹر میرے پاس آئیں گے----

ساری دنیا کے سائینٹسٹ میرے پاس بدھائی کے ٹیلیگرام دیں گے ----

بڑے بڑے لوگ مجھ سے ملنے آئیں گے ----

ٹچھی = (جوش میں آکر) ابّا، بابا، پھر کیا ہے میم صاب - دنیا بھر کے اخباروں میں تمہاری بڑی اور میری چھوٹی فوٹو آئیں گی -

ڈاکٹر = اور پھر مجھے ---- اوہو ---- ٹچھی، (ٹچھی سے لپٹ جاتی ہے) پھر مجھے نوبل پرائز ملے گا -

ٹچھی = پرائز - بولے تو پیسے ؟ تم آدھا، میں آدھا -

ڈاکٹر = ارے چھوڑو یہ باتیں - آگے کی ہیں - بھئی ہمکو تو وہ Blood مل گیا جس کے لئے ہم ریسرچ کر رہے تھے - Ah ! Husband's Fear کا Percentage Nil ---- دیکھو تم بھی، دیکھو اس میں ----

(ٹھیک اس وقت پپتا نام کی ایک عورت جو جوان ہے، اسٹیج پر آجاتی ہے - ڈاکٹر اس عورت کی طرف دیکھ کر) کون ہو تم ؟

پپتا = (کچھ کہتی نہیں کاغذ کی ایک پرچی ڈاکٹر کو دیتی ہے)

ڈاکٹر = (کاغذ پر لکھا ہوا پڑھتے ہوئے) ڈرپوک عورت ---- کیا تمہارا نام ڈرپوک عورت ہے

ٹچھی = تمہارا نام ڈرپوک عورت ہے تو پھر تمہارے باپ کا نام کیا ہے ؟

پپتا = جی یہ میرا نام نئیں ہے یہ تو میرا ٹائٹل ہے جو Women's Lib year میں مہیلا سبھا نے مجھے دیا ہے -

ڈاکٹر= اچھا آپ بیٹھ جائیے اور بتائیے کہ آپ کو یہ ٹائٹل کیسے ملا۔

پپتا= میرا تو نام ہی پپتا ہے۔

لچھمی= پپتا!!۔

پپتا= ہاں۔ بات یہ ہے کہ میری زندگی میں مجھے پتی کے ظلم کے سوائے اور کچھ نہیں ملا۔ ہر ہر قسم کا ظلم مجھ پر ہوا ہے---- کیا کروں ---- میں بہت ڈرپوک ہوں۔

ڈاکٹر= کوئی بات نہیں۔ اب ہم تمہارا سارا ڈر نکال کر تم کو ایک بہادر استری بنادیں گے، کیوں لچھمی۔

لچھمی= ہاؤ میم صاحب۔ بچاری پپتا۔

پپتا= ۔ہمارے گھرانے میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مردوں کا ظلم تو ہمارے پرکھوں سے چلا آرہا ہے---

ڈاکٹر= اوہ۔ پرکھوں سے یعنی Ancestors سے۔

پپتا= جی ہو۔ میرا باپ، میری ماں پر ظلم کرتا تھا۔ میری نانی پر میرا نانا ظلم کرتا تھا۔

لچھمی= اور تمہاری دادی پر؟

پپتا= میرا دادا ظلم کرتا تھا۔

ڈاکٹر= اف، یہ تو Chronic کیس ہے۔ بالکل سیریس۔

پپتا= بہت سیریس ہے میم صاحب۔(دیکھونا، شادی ہوئی سو رات کو میرا پتی پی کر آیا تھا

لچھمی = ائی یو یو۔

پپتا = مگر اس دن مجھے نئیں مارا۔

لچھمی = دیوانی۔ چُپیچ کوئی مارتا کیا---کچھ کرے تو ئچ کوئی مارتا۔

پپتا = نئیں جی۔ میں کچھ بھی نئیں کری--- مگر شادی کی دوسری رات تو خوب پی کے آیا اور لگا مارنے۔

لچھمی = چہ، چہ، چہ، یہ تو سچ مچ ہتیا چار ہے---- میرا راملو بھی مارتا لئیو مگر--- مگر----

پپتا = مگر کیا؟

لچھمی = میں ماری تو اُنے مارتا۔

ڈاکٹر = کیا بولی۔ تم اپنے مرد کو مارتی ہو-----!

لچھمی = کیا سمجھئیں میم صاحب---- کوئی کائیکو چپ بیٹھتا۔

پپتا = مگر میرے کو تو پتی سے اتنا ڈر ہوتا ہے میم صاحب۔ مئیں کیا بولوں--- رات کو پی کے دیر سے آیا تو ڈرتیوں۔ پگار کے پیسے نئیں دیا تو ڈرتیوں---- دیا تو ڈرتیوں--- بچے کو پیار کیا تو ڈرتیوں، ہنیں کیا تو ڈرتیوں۔

لچھمی = مگر اِتّا کائیکو ڈرتے تم؟

پپتا = اتی بڑی بڑی موچھاں ہیں اس کی۔ اور آنکھیاں تو۔ ابا، ہمیشہ خون رہتا ہے اس کی آنکھوں میں---- اب میں جاتیوں۔ اُنے یاں آتا کی کیا ہے کی۔ ڈر ہو رائے۔

ڈاکٹر= یہاں تم کو کوئی ڈر نہیں --- ٹھہرو میں تمہارا کیس اسٹڈی کروں گی اور تمہارا علاج کروں گی اب کچھ ڈر نہیں۔ اب تمہارا سارا دُکھ اور پتی کا ظلم ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ اگر میں چاہوں تو تمہارا پتی تم سے ڈرنے لگے گا۔

پپتا= (زور سے چیخ پڑتی ہے) ہائیں، ہئے بھگوان، یہ میں کیا سُن رہی ہوں میم صاحب تمہارے پاوں پڑتیوں۔ جلدی علاج کردیو ---- واہ، میرا موچھوں والا میرے سے ڈریں گا؟

لچھمی= پھر کیا کریں گی تم۔!

پپتا= (ہنستے ہوئے) اس کی موچھیاں پکڑ کے کھینچوں گی اور اٹھ بیٹھ* کراوں گی۔ نئی ساڑی لیوں گی اور سنیما کو جاوں گی --- ابا، جلدی کرو میم صاحب۔

ڈاکٹر= اچھا۔ (لچھمی سے) دیکھو لچھمی یہ کیس بہت سیریس ہے۔ اس کے خون کا ٹسٹ بہت ضروری ہے۔ اس کا تھوڑا خون لے لو۔

لچھمی = اچھا میم صاحب۔ (ٹیبل پر سے سیرنج اٹھاکر) کِتّا لیوں میم صاحب۔

ڈاکٹر= تیرے دل میں آیا اتنا لے لے، سارا ڈرپوک خون ہے۔

(لچھمی پپتا کی بانہہ سے خون نکالتی ہے اور اس کی بانہہ سہلاتی ہے)

(پپتا سے) اب تم جاو، تمہارے خون کا Test کر کے ہم تمہارا علاج کردیں گے۔

پمتا = میں جاوں میم صاحب! مگر علاج کب کرتے ؟ جلدی کرو میم صاب۔ نئی ساڑی لینے کو اور سیمنا دیکھنے کو بہت جی بولرا---- اور پھر۔

پُھمی = اور پھر اس کی موپخھیاں پکڑ کے جھکانے کو بھی دل بولرا نئیں ---؟ اجی ایک دو مہینے میں ساری دنیا کے مرد ہماری میم صاحب کی دوا سے اپنی عورتوں کے سامنے اپنی موپخھاں نئیں مونڈالئے تو بولو---- ایسا نئیں ہوا تو میم صاب خود مچھاں رکھ لیں گے۔

ڈاکٹر = کیا بدتمیزی ہے۔ (پمتا سے) تم جاو اور دو دن کے بعد آو۔ تم کو ہم دوا دیں گے۔

پمتا = مگر اب میں گھر کو گئی اور اُنے مارا تو۔؟

پُھمی = دو دن تو رہ گئے۔ دو دن کھالے مار۔ پھر جندگی بھر تو مارنا۔

(پمتا بہت خوش ہو جاتی ہے۔ تینوں ہنستے ہیں پمتا دونوں کو نمستے کرکے باہر چلی جاتی ہے اتنے میں ایک مڈیکل ریپرزنٹیٹوِ (Medical- Representative) آتا ہے قد کم ہے اور موپخھیں بہت بڑی بڑی ہیں۔ بہت ڈھیلا ڈھالا سوٹ پہنا ہوا ہے اپنا بیگ لے کر داخل ہوتا ہے)----

میڈیکل ریپریزنٹیٹیو = Good Morning Madam

ڈاکٹر = Good Morning

میڈیکل ریپریزنٹیٹیو =

I have the honour to introduce myself

to you madam

I am Mr. pill. The only representative from

the all India women's lib laboratory pvt. ltd

ڈاکٹر = (مزہ لیتے ہوئے)

All India womens lib laboratory ! very good

کہئے کیا کہنا ہے -----؟

پل = آپ کے چاروں فارمولوں پر ہم نے کام پورا کر لیا ہے -----

آپ کے چاروں فارمولا Marvellous ہیں۔

ڈاکٹر = اچھا!

چھمی = یہ کون ہے میم صاب۔ ادمی کم مونچھاں زیادہ۔

پل = (چھمی سے) Oh . Wonderful نمستے جی۔ آپ بولیتو چھوٹی کردے گا ہم مونچھیں۔ ہم کسی بھی عورت کا حکم مانتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارا کام عورت کی آزادی کی دوا بیچنا ہے۔

چھمی = تم کو جورو ہے۔؟

پل = ہے۔

چھمی = تم کبھی مارتئیں اس کو---؟

پل = اوہ، نئیں۔ نئیں۔ کیا بولرا آپ۔ ہم تو عورت کا آزادی کا کام کرتا ہے۔ بس کبھی کبھی ہم اپنا عورت کو بولتا ہے---- "تھوڑا ہم پر جلم کرو۔ تھوڑا ہم کو مارو"۔

چھمی = اوئی میم صاب۔ یہ کیسا مردوا ہے۔

ڈاکٹر= معلوم ہوتا ہے آپ میرے فارمولے پر بنی ہوئی دوا کھاتے ہیں ---- ہے نا؟۔

پل = Yes Ah. Wonderful Medicine ---- میں کچھ Sampls آپ کے لئے لایا ہوں ۔آپ کے فارمولا نمبر1 پر بنائی ہوئی یہ میڈیسن ۔Most Successful

What a formula. that every husband should be a little afraid of his wife

(ہنستا ہے) ۔ یہ ہے وہ میڈیسن --- (بیاگ سے چھوٹی بوتل نکال کر بتاتے ہوئے) اس کو کہتے ہیں E.H.P. Pills

ڈاکٹر= E.H.P. Pills ---- یہ کیا ہے؟۔

پل = (سمجھاتے ہوئے) Essential Henpckery ایک گولی دودھ میں ڈالکر کسی Short Tempered Husband کو پلادیجئے ۔ بس The husband will bow down

ڈاکٹر= (خوشی سے) Oh, wonderful

پل = یہ دیکھئے ۔آپ کے دوسرے فارمولے پر بنایا ہوا---

It is a simple Cream but what an effect

! اس کا نام تھوڑا انگلش ہے اور تھوڑا ہندی --- اس کا نام ہے--- "پیچھے پیچھے کریم"

ڈاکٹر= (دہراتے ہوئے) "پیچھے پیچھے کریم" کیا مطلب؟۔

پل = مطلب یہ ہے کہ کسی بھی وقت اگر ایک House wife یہ کریم فیس پر لگالے تو اس کا Husband اس کے پیچھے پیچھے چلا آئے گا۔

ڈاکٹر = واہ، کیا دوا ہے ----

(چھی اور ڈاکٹر دونوں ہنستے ہیں)

پل = اب یہ دیکھئے آپ کے تیسرے فارمولے پر بنایا ہوا، یہ ایک بہت بڑھیا Product ہے۔ "Cow.down" مرد کتنے ہی غصے میں کیوں نہ ہو یہ کاجل لگا لیجئے دومنٹ میں شیر جیسا Husband بلی بن جائے گا۔

ڈاکٹر = واہ، واہ، کیا بات ہے۔

پل = اور یہ دیکھئے۔ یہ ایک Ointment ہے۔ بالکل اسپیشل کیس میں Use ہوتا ہے۔ یہ ہے " Anti - mother in - law vapaurub

ڈاکٹر = کیا کہا؟۔

" Anti mother in law vapurub"

پل = ہاں۔ اگر ساس ظالم ہے تو بس یہ۔ Ointment لگا دیجئے، ساس کا منہ بند ہو جائے گا۔

چھی = یہ ذرا میرے کو دیو جی۔ میری ساس، ابا، کیسی عورت ہے۔

(ہاتھوں سے بتاتی ہے جیسے ساس کو مارنا چاہتی ہے)

پل = یہ ایک جنرل ٹانک ہے ---- Simpie --- اس کا نام ہے " Mutual Understanding" یہ Husband and wife دونوں

استعمال کر سکتے ہیں ہو سکے تو شادی سے پہلے ہی پلانا شروع کر دیجئے شانتی سے زندگی گزار سکتے ہیں ۔ اور یہاں جتنے Husbands بیٹھے ہیں سب کو ایک ایک ڈوز دے دیجئے پھر صبح کو دیکھئے

ڈاکٹر= Very good ۔ اور ہمارا چوتھا فارمولا---کیا ہوا؟

پل= آپ کا چوتھا فارمولا یہ ہے-----

We are Proud of our Product ۔ یہ ایک انجکشن ہے No fear vaccine----- ۔ مہینے میں ایک بار ہر پتی پتنی کو یہ انجکشن لگا لینا چاہئے---- Painless and wonderful ۔ نہ پتی پتنی سے ڈرے گا نہ پتنی پتی سے ۔ دونوں اپنے اپنے راستے پر چلیں گے-----آپ یہ Sample رکھئیے ۔ آپ کا نام ہم ساری دنیا میں مشہور کر دیں گے---

Thank you madam --- with your

Permission I Take leave now

ڈاکٹر= واہ، واہ، Very Good Products ---- اچھا ۔ آپ جا سکتے ہیں ۔

(پل دونوں کو نمستے کرتا ہوا چلا جاتا ہے اسکے باہر جاتے ہی ایک عورت جس کی عمر ۴۰ سال کے قریب ہے، بڑی پریشانی سے داخل ہوتی ہے ۔ آتے ہی ڈاکٹر سے بھاری بھاری سانسوں میں کہنے لگتی ہے اسکا نام کانتا ہے) ۔

کانتا= نمستے ڈاکٹر اماں --- نمستے ۔ بھگوان اچھا رکھے تم کو ۔ ابا کتنا اچھا دواخانہ لگائیں ۔ ذرا میری مدد کرو ڈاکٹر اماں ۔

ڈاکٹر= کون ہو تم ۔ بیٹھو۔

کانتا= نئیں، نئیں، نئیں، میں بیٹھ نئیں سکتی میں بہت پریشان ہوں۔

لچھمی= تم کو کیا ہوا جی، کائیکو گڑبڑ کرئیں۔

کانتا= (ڈاکٹر سے) میں کیا بولوں ڈاکٹر اماں ۔ اپنے دیش اتا بڑا میرا کٹنبہ ہے ۔ اس پہ سُسرا دیو ہے ۔ ساس چڑیل ۔ تین بدذات نندان ہیں ۔ چھے بے شرم دیور دیورانیاں ۔ میرے چار پلّے ۔ پھر اس پہ یہ مرد جب دیکھو بولتائے میں بے کار ہوں ۔ بولتائے جا تو بھی کما کے لا۔۔۔۔ بے شرم اس کو۔

ڈاکٹر= اچھا، بیٹھو تو ۔ اطمینان سے بولو تم کو کیا تکلیف ہے؟

کانتا= نئیں ۔ میرے کو ڈر ہو رہا ہے ۔ وہ خونی مرد آگیا تو میری چوٹی پکڑ کے لے جائینگا واپس ۔ کچھ تو بھی ایسی دوا دے دیو ڈاکٹر اماں کہ میں سارے کٹنبے پہ حکومت کروں۔

ڈاکٹر= اچھا بیٹھو ۔ (لچھمی سے) دیکھو لچھمی، وہ سارے Sample جو مسٹر پل دے کر گیا ہے لاو، ان کو دے دیں گے۔

کانتا= بھگوان تم کو اچھا رکھے۔

لچھمی= گھبراو نکو ۔ میم صاحب کے پاس سب دوایاں ہیں ۔ تمہاری ساس کے واسطے تو بہت اچھی دوا ہے۔

کانتا= پھر جلدی کرو نا ۔ نئیں تو میرا مرد آجینگا ۔ اور میرے کو پکڑ کے لے جائے گا ۔ میں بہوت ڈرتیوں اس سے ۔ میرا دم نکل جاتا ہے۔

ڈاکٹر= ذرا ٹھہرو ۔ تھوڑی دیر۔

کانتا= نئیں انے آتا دیکھو (باہر دیکھ دیکھ کر) میرا دل دھڑک رہا ہے۔ انے آتا دیکھو۔ (ایک مرد داخل ہوتا ہے۔ سینہ پھلا کر آتا ہے اور کانتا کی طرف کچھ اس طرح غصے سے دیکھتا جیسے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنا چاہتا ہے)۔

مرد= (کچھ اونچی آواز میں) یہاں تیرا کیا کام ہے۔ کیوں آئی یہاں تو۔

ڈاکٹر= تم کون ہو؟

مرد= میں اس کا پتی ہوں۔

ڈاکٹر= تو ذرا ٹھہرو۔ گڑ بڑ مت کرو اس بچاری کو کچھ تکلیف ہے میں دوا دے رہی ہوں۔

مرد= اچھا۔

کانتا= دیونا ڈاکٹر اماں کوئی دوا۔

ڈاکٹر= (لچھمی سے) ذرا وہ No fear vaccine کا ایک ڈوز دے دو اس کو۔

لچھمی= (سیرنج میں وہ دوا لے کر کانتا کو انجکشن دیتی ہے اور تھوڑی دیر بعد پوچھتی ہے) اب کیسا معلوم ہو رہا ہے تم کو۔

ڈاکٹر= کیوں اب کیسی طبیعت ہے۔

کانتا= اب، طبیعت؟ ارے، یہ کیا ہو گیا مجھے۔ واہ ڈاکٹر صاب۔ واہ۔ میں کس کو ماروں اب۔

ڈاکٹر= ماروں؟

کانتا= ہاں۔ اب ایسا کچ دل بول رہا ہے۔

ڈاکٹر= ہنیں، ہنیں اب تم کو اچھا معلوم ہو رہا ہے نا؟

کانتا= اب میں بہت اچھی ہوں۔

مرد= تو پھر چل، گھر چل۔

کانتا= (اپنے مرد کو گھور کر دیکھتے ہوئے) تو کون ہے رے۔ چل چل۔

مرد= (غصے سے) کیا بولی؟

کانتا= (زیادہ غصے سے) تو کیا بولا---- ؟ ہوں، رکھوں ایک ہاتھ۔

مرد= ہائیں۔کیا ہو گیا تجھے۔ میں تیرا پتی ہوں۔

کانتا= ہوا تو کیا ہوا؟--- چل جھک----جھک میرے سامنے۔

مرد= ارے۔ یہ کیا بول رہی تو---- (ڈاکٹر سے) ڈاکٹر صاب۔ اس کو کیا ہو گیا۔ کہیں پاگل تو ہنیں ہو گئی۔

کانتا = ارے چل۔ پاگل میں ہنیں تو ہوں گا۔ آج میں آزاد ہوں----

مرد= آزاد؟۔

کانتا= ہاں، جا گھر کو جا اور کھانا پکا۔

مرد= کیا بول رہی ہے تو؟

کانتا= جا جلدی جا۔ میں سینما دیکھ کر آتیوں۔

مرد= (ڈاکٹر سے) میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتوں اماں۔ اس کو ٹھیک کر دیو۔ کیا ہو گیا اس کو؟

ڈاکٹر= (کانتا سے) اچھا دیکھو۔ ذرا تم یہاں بیٹھو۔ (عورت بیٹھتی ہے)

دیکھو، یہ تمہارے پتی ہیں نا؟

کانتا = ہوں۔ ہوا تو کیا ہوا؟

ڈاکٹر = ارے دیکھو ایسا نہیں کہتے ۔ ذرا دیکھو، سمجھو۔

کانتا = میں کچھ نہیں دیکھتی، میں کچھ نہیں سمجھتی۔

لچھمی = (اپنے سینے پر ہاتھ مار کر) ایو اماں ۔ میم صاب اس کو تم پہنچادئے۔

ڈاکٹر = (گھبرا کر) کہاں ۔

لچھمی = اب کیا بولوں ۔ انے گئی۔

مرد = نہیں، نہیں ڈاکٹر اماں آپ جو بولے سو کروں گا۔ اس کو ٹھیک کر دیو

ڈاکٹر = اچھا (لچھمی سے) دیکھ، معلوم ہوتا ہے اس کو Overdoze ہوگیا ہے---- وہ ایک ڈرپوک عورت کا خون نکال کے رکھے تھا نا ہم ۔ وہ تھوڑا خون اسے دے دے ۔ جلدی ۔

لچھمی = (سیرنج تیار کرتی ہے اور کانتا کے پاس جا کر) ایک اور انجکشن ہے لے لو۔

کانتا = دے دیو۔

(لچھمی اسے انجکشن لگاتی ہے)

ڈاکٹر = (کانتا سے) بولو اب کیسی ہو تم؟۔

کانتا = اب ۔ اب اور اچھا دکھرائے ۔ شانتی معلوم ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر= شانتی ؟ واہ، شاباش ۔ اب بولو (مرد کی طرف بتاتے ہوئے) یہ کون ہیں تمہارے

کانتا= یہ، یہ تو میرے پتی دیو ہیں

چھمی= پھر ڈر گئی دیکھو۔

کانتا= نئیں جی ۔ ڈری نئیں ۔ اب (مرد کی طرف بتاتے ہوئے) انوں اچھے دکھرئیں ۔

ڈاکٹر= شاباش ۔ دیکھا چھمی ؟ ۔

مرد= دھنیہ واد، ڈاکٹر، دھنیہ واد ۔ اب ہم جائیں ۔

ڈاکٹر= ہنیں ٹھہرو ایک اور اچھی دوا پیتے جاو ۔

مرد= (ذرا گھبرا کر) نکو ۔ اب کوئی دوا نکو ۔

ڈاکٹر= ہنیں، ہنیں، گھبراو مت ۔ یہ بہت اچھی دوا ہے ۔ (چھمی سے) دیکھو چھمی، وہ جنرل ٹانک Mutual Under standing ان دونوں کو ایک ایک چمچہ پلادو ۔

(چھمی دونوں کو دوا پلاتی ہے)

ڈاکٹر۔ (دونوں سے) اب بولو ۔ تم دونوں کیسے ہیں ؟

مرد= (کانتا کی طرف دیکھ کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے) ارے واہ، واہ ری میری پتنی ۔

کانتا= (مرد کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر) ارے واہ، واہ رے میرے پتی دیو ۔۔۔ چلو اپنے گھر چلو ۔۔۔۔

(کانتا اور اس کا مرد دونوں مل کر ڈاکٹر اور چھمی کو ٹاٹا، ٹاٹا کہتے ہوئے خوش خوش باہر چلے جاتے ہیں ڈاکٹر اور چھمی بھی ایک دوسرے سے ہاتھ ملاتے ہوئے ہنستے ہیں)

پردہ

سفارشی خط

(ایکانکی ڈراما)

کردار

انور	ایک نوجوان
زلیخا	نواب صاحب کی لڑکی
روشن	نواب صاحب کا لڑکا
پروفیسر خیرات	نواب صاحب کا بھائی
صغیر	نواب صاحب کا نوکر

منظر

(نواب فرخندہ کے مکان کا ڈرائنگ روم بہت ہی پرانی وضع کے سامان سے آراستہ ہے پچھلی دیوار میں دو کشادہ کھڑکیاں ہیں جن پر خوش رنگ پردے لٹکے ہوئے ہیں ۔ بائیں طرف باہر جانے کے لیے ایک دروازہ ہے اور دائیں طرف دوسرا دروازہ ہے جو گھر کے اندر کو جاتا ہے ۔ جب پردہ اٹھتا ہے صرف

کال بل کی آواز سنائی دیتی ہے ۔ صغیر نواب صاحب کا نوکر صاف ستھرا لباس پہنے اندر کے دروازے سے اسٹیج پر داخل ہوتا ہے صغیر ایک دبلا پتلا ۴۰، ۴۵ سالہ آدمی ہے ۔ بہت باتونی ہے اور اسے ہر بات میں ٹانگ اڑانے کی عادت ہے)

صغیر: کون صاحب ہیں (کہتے ہوئے باہر کے دروازے کے قریب جاتا ہے اور باہر جھانکتا ہے)

انور: (باہر ہی سے) نواب صاحب ہیں؟

صغیر: نواب صاحب؟ جی ہاں ہیں ۔ آجائیے صاحب! اندر تشریف لائیے (انور داخل ہوتا ہے ۔ وہ ایک ۲۵ سالہ خوبرو نوجوان ہے اور اس وقت کافی دیدہ زیب لباس پہنے ہوئے ہے)

انور: کیا نواب صاحب آرام فرما رہے ہیں؟

صغیر: جی نہیں طلوع ہو چکے ہیں ۔

انور: جی!

صغیر: جی میرا مطلب ہے وہ بیدار ہو چکے ہیں ۔ آپ تشریف رکھیے

انور: نواب صاحب ناشتے وغیرہ سے تو فارغ ہو چکے ہیں نا؟

صغیر: جی نہیں ۔ ابھی ابھی بستر سے اٹھے ہیں ۔ آپ تو بہت سویرے آ گئے ۔

انور: سویرے، ابھی، اس وقت تو نو بج چکے ہیں؟

صغیر: جی اس ڈیوڑھی میں سورج ۹ بجے ہی طلوع ہوتا ہے اور اگر رات

میں دیر سے غروب ہو تو پھر دس بجے یا گیارہ بجے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نواب صاحب کو نہیں جانتے ۔

انور: جی ہاں ، میں آج تک ان سے ملا نہیں ہوں ۔ پہلی بار ملنے آیا ہوں ۔

صغیر: آپ کیوں ملنا چاہتے ہیں ان سے ؟

انور: کچھ کام ہے ۔

صغیر: کیا کام ہے ؟

انور: بس ایک چھوٹا سا کام ہے

صغیر: معاف فرمائیے میں کام کا سائز نہیں پوچھ رہا ہوں ۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا مقصدِ ملاقات کیا ہے ؟

انور: (مسکراتے ہوئے) اچھا یہ بات ہے ۔ پہلے مجھے یہ بتائیے آپ کون ہیں ؟

صغیر: میں ؟ (ہنستا ہے) آپ مجھ سے واقف نہیں ؟ تعجب ہے ، میں نواب صاحب کا ملازمِ خاص ہوں ۔

انور: ملازمِ خاص ، تب تو آپ خاصے کی چیز ہیں ۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر (ہاتھ ملانے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے)

صغیر: (خوش ہو کر ہاتھ ملاتا ہے) جی شکریہ آپ کا ، دیکھیے آپ کے ہاتھ میں پسینہ بہت ہے ۔ خیر کوئی بات نہیں ، فرمائیے ۔

انور: اگر آپ نواب صاحب کے ملازم خاص ہیں تو میرے لیے کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں

صغیر: ہاں، ہاں کیوں نہیں بندہ خدمت کے لیے تیار ہے۔

انور: میں آپ کا خوبصورت نام پوچھ سکتا ہوں۔

صغیر: ضرور، خادم کو صغیر کہتے ہیں، میرے والد کا نام کبیر تھا، اور ہمارا خاندان صغیر بھوئے کبیر بھوئے کے نام سے مشہور تھا۔

انور: بہت خوب، بہت خوب۔ (صغیر کی نقل کرتے ہوئے) تو دیکھیے صغیر بھوئے، میرا ایک معمولی سا کام ہے۔ نواب صاحب کے ایک قریبی دوست نواب سفارش مرزا کو آپ ضرور جانتے ہوں گے۔ وہ نواب صاحب سے اکثر ملنے کے لیے آتے ہیں۔

صغیر: اوہ! نواب سفارش مرزا! ارے وہ تو میرے خاص مہربانوں میں سے ہیں، بڑے ہی پائے کے رئیس ہیں

انور: ہاں، ہاں وہی انھوں نے مجھے نواب صاحب سے ملنے کے لیے بھیجا ہے

صغیر: بہت خوب، اگر نواب صاحب آپ کا نام پوچھیں تو کیا بتاؤں؟

انور: میرا نام انور ہے۔

صغیر: انور مرزا۔ اچھا، یہ پوچھیں کہ کس کام سے ملنا چاہتے ہیں، تب کیا بتاؤں۔

انور: کہنا کہ ...... (رک کر) میں سب انہیں بتادوں گا۔ میں دراصل ایک نوکری کی کوشش میں ہوں جس کے لیے مجھے نواب صاحب کا ایک سفارشی خط چاہیے اس سفارشی خط کے لیے میں ایک سفارشی خط نواب

سفارش مرزا سے لے کر آیا ہوں۔

صغیر: ہوں بات تو کافی گمبھیر ہے۔ خیر میں ابھی نواب صاحب کو اطلاع کیے دیتا ہوں۔

انور: نہیں، نہیں، اتنی عجلت کی ضرورت نہیں۔ نواب صاحب کو ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو جانے دیجئے۔ میں یہاں ان کا انتظار کر لوں گا۔

صغیر: جی کیا فرمایا؟ آپ یہاں انتظار فرمائیں گے؟ ٹھیک ہے ذرا سنبھل کر بیٹھیے

انور: کیا مطلب؟

صغیر: کچھ نہیں میرا مطلب ہے (بار بار اندر کی طرف دیکھتے ہوئے) ذرا آرام سے بیٹھیے؟

انور: کیوں نواب صاحب کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟

صغیر: نہیں، نواب صاحب کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا، البتہ... وہ...

انور: وہ کون؟

صغیر: جی کچھ نہیں۔ (ادھر ادھر دیکھ کر) صاحب یہاں کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے۔ اس وقت میں آپ کو سمجھا نہیں سکتا خیر بیٹھ جائیے۔ قریب آدھ پون گھنٹہ تو نواب صاحب کا انتظار کرنا ہی پڑے گا۔

انور: ہاں، ہاں میں بیٹھا رہوں گا۔ (زلیخا داخل ہوتی ہے جو ٹائٹس پہنے ہوئے ہے اور چہرے مہرے سے بہت ہی دلکش لگتی ہے۔ عمر کوئی ۱۸-۱۹ سال ہے۔ بہت ہی بے باک اور باتونی لڑکی ہے۔ اپنے آپ کو شاعر سمجھتی ہے)

زلیخا: (اسٹیج پر داخل ہوتے ہوئے) صغیر، اے صغیر تم یہاں اتنی دیر سے کیا کر رہے ہو؟

صغیر: کچھ نہیں بی بی۔

زلیخا: پھر جاؤ کام کرو اپنا۔ (صغیر جی اچھا کہہ کر چلا جاتا ہے) انور کو دیکھ کر آپ کون ہیں، آپ کی تعریف؟

انور: (گھبرائے ہوئے انداز میں) جی! میری کوئی تعریف نہیں

زلیخا: اوہو، آپ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے (ذرا کڑک کر) کیا نام ہے آپ کا؟

انور: جی یہ ناچیز انور ہے۔

زلیخا: ناچیز انور؟ بہت خوب

انور: جی ناچیز انور نہیں، صرف انور

زلیخا: بس؟

انور: جی ہاں۔

زلیخا: کس لیے آئے ہیں آپ یہاں؟

انور: مجھے نواب صاحب سے ملنا ہے۔

زلیخا: کیا کام ہے آپ کو ان سے؟

انور: ایک ضروری کام ہے

زلیخا: میں پوچھ رہی ہوں آپ کو کام کیا ہے، وہ کام ضروری ہے یا نہیں وہ آپ جانیں

انور: جی دراصل میں نواب صاحب کے نام ایک خط لایا ہوں

زلیخا: کہاں ہے وہ خط؟

انور: جی میری جیب میں۔

زلیخا: مجھے بتائیے۔

انور: جی!

زلیخا: بتلائیے نا۔(انور جھجکتے ہوئے خط نکالتا ہے) خیر رہنے دیجئے، میں بور نہیں ہونا چاہتی۔ یہ بتلائیے آپ کرتے کیا ہیں؟

انور: (شرماتے ہوئے) جی میں بیکار ہوں

زلیخا: (ذرا بلند آواز میں) بیکار! یعنی آپ کوئی کام وام نہیں کرتے؟ تو بیٹھ جائیے۔ میں آپ کو کام دلاؤں گی۔

انور: (بیٹھتے بیٹھتے پھر کھڑا ہو جاتا ہے) آپ یعنی آپ مجھے کام دلادیں گی؟

زلیخا: (کڑک کر) بیٹھ جائیے۔ میں آپ کا انٹرویو لینا چاہتی ہوں۔

انور: آپ! ہاں! ہاں ضرور۔

زلیخا: آپ کو شاعری سے لگاؤ ہے؟ یعنی poetry سے۔

انور: (حیرت سے) جی شاعری یعنی poetry ؟

زلیخا: ہاں!

انور: کیوں نہیں ضرور ہے۔

زلیخا: تو ایک شعر سنائیے

انور: ہاں ہاں، کیوں نہیں (سوچتا ہے کچھ یاد نہیں آتا۔ کھسیانا ہو کر) معاف فرمائیے اس وقت کوئی شعر یاد نہیں آرہا ہے۔

زلیخا: تب تو آپ واقعی بیکار آدمی ہیں۔

انور: جی نہیں وہ...... دراصل، ہاں لیجیے، ایک اچھا سا شعر ہے۔ (سوچتے ہوئے)۔

ارے بے باک بدزباں منہ پھٹ
تو نے سیکھی کہاں یہ دوڑ جھپٹ

زلیخا: بہت خوب۔ ذرا پھر سے پڑھیے۔ (انور اسی انداز میں شعر دہراتا ہے۔ زلیخا بجائے داد دینے کے چٹکیاں بجاتے ہوئے اسی بحر میں)

ڈ، ڈ، ڈاں، ڈاں، ڈاں، ڈاں، ڈاں
ڈ، ڈ، ڈاں، ڈاں، ڈاں، ڈاں، ڈاں

انور: (تعجب سے) جی!

زلیخا: (پھر اسی انداز میں) ڈ، ڈ، ڈاں...... اس انداز میں خوب جچے گا یہ شعر۔ میرا مطلب ہے اگر یہ شعر انگلش دھن پر گایا جائے تو اس کے الفاظ ٹوئیسٹ کے لیے بہت suitable رہیں گے۔ واہ خوب شعر ہے۔ آپ ٹوئیسٹ جانتے ہیں؟

انور: ٹوئیسٹ! ہاں، ہاں کیوں نہیں، لیکن ابھی نہیں

زلیخا: ابھی نہیں سے کیا مطلب؟ آپ جانتے تو ہیں؟

انور: (گھبرا کر) جی ہاں، لیکن اس وقت کر نہیں سکتا۔ ذرا پیر میں موچ

آگئی ہے۔

زلیخا: کوئی پرواہ ہنیں آپ شعر پڑھیے۔ میں ٹوئیسٹ کرتی ہوں۔ (کھڑی ہو کر ٹوئیسٹ کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے) شعر پڑھیے۔

انور: جی...... لیکن وہ نواب صاحب!

زلیخا: (غصے سے) oh, you nawab saheb, shut up پڑھیے شعر۔

انور: (گھبرائے ہوئے بار بار اندر کی طرف دیکھتا اور شعر دہراتا ہے)

ارے بے باک بدزباں منہ پھٹ
تو نے سیکھی کہاں یہ دوڑ جھپٹ

زلیخا: (اپنے بدن کو ہلکی سی حرکت دیتے ہوئے چٹکیاں بجاتی رہتی ہے۔ انور کے شعر پڑھ لینے کے بعد وہ زور سے قہقہہ لگاتی ہے) شباش، آپ آدمی تو کام کے ہیں۔ آپ کو کام ضرور ملنا چاہیے۔

انور: شکریہ!

ٹھہرئیے، ابھی انٹرویو ختم ہنیں ہوا۔ یہ تو بتائیے ہندوستانی شاعری اور انگلش میوزک کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

انور: دونوں ہی بڑھیا چیزیں ہیں۔

زلیخا: آپ کی General Knowledge بہت ویک معلوم ہوتی ہے اجی صاحب، میرا تو خیال ہے کہ دنیا کی سب سے بہترین شاعری ہندوستانی شاعری ہوتی ہے اور سب سے بہترین میوزک انگلش میوزک۔

انور: بالکل صحیح فرمایا آپ نے

زلیخا: دراصل انسان کے ذہن میں یہ بات آج تک آئی ہی نہیں ۔ انگلش دھنوں پر ہندوستانی شاعری اسی طرح فٹ بیٹھتی ہے جیسے.....

انور: جیسے انگلش لباس میں ہندوستانی بدن ۔(کہہ کر کھسیا جاتا ہے)

زلیخا: آہاہاہا ۔کیا تشبیہ ہے ۔ میں بھی ٹھیک یہی کہنے والی تھی ۔ دیکھیے میں نے ایک نیا گیت لکھا ہے ۔سُنیے

انور: آپ شاعری بھی کرتی ہیں؟

زلیخا: (ایک ٹھنڈی سانس بھر کر) ارے صاحب، اس دنیا میں ہماری قدر کہاں ۔ خیر گیت سنیے ۔

انور: ضرور ضرور

زلیخا: (چٹکیاں بجاتے اور کمر مٹکاتے ہوئے)

بالم میرے آجا ۔ کھیلیں کودیں آجا
بالم میرے دُور کے ہم کو دیکھیں گھُور کے
تم نہیں آتے روتی ہوں، تم نہیں آتے سوتی ہوں

انور: واہ، واہ واہ، کتنا اچھوتا خیال ہے ۔

زلیخا: (قہقہہ لگاکر) بہت پسند آیا نا آپ کو یہ گیت ۔آپ جیسے سمجھ دار لوگ بہت کم ہیں دنیا میں ۔اب دیکھیے اس پر ایک انگلش دھن کیسے بیٹھتی ہے اور Dance steps کیسے جمتے ہیں (چٹکیاں بجاتے ہوئے)

ڈاں ڈاں ڈاں ڈاں ڈاں ڈاں

آئیے کچھ steps ہوجائیں

انور: (چونک کر) جی!! اس وقت میں نے کہا نا میرے پیر میں موچ آگئی ہے۔

زلیخا: کیا لڑکیوں سی باتیں کرتے ہیں آپ آج کل لڑکیوں کے پیر کی موچ لڑکوں کے پیر میں آگئی ہے۔

انور: ایسی تو بات ہنیں۔ لیکن ذرا وہ..... نواب صاحب۔

زلیخا: اوہ، سب ٹھیک ہوجائے گا۔ اٹھیے (اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتی ہے اور ڈانس کرنے کے انداز میں) ون، ٹو، تھری، فور (ٹھیک اسی وقت زلیخا کا بڑا بھائی روشن داخل ہوتا ہے۔ وہ اس وقت ایک معمولی گھریلو لباس پہنا ہوا ہے۔ اسے فلمی اداکاری کا کچھ اس قدر شوق ہے کہ وہ ہر بات فلمی ہیروز کے انداز میں کرتا ہے۔ اسی وقت انور اور زلیخا کو stepping کرتے ہوئے دیکھ کر غصے میں آجاتا ہے)

روشن: (کڑک کر) یہ کیا بدتمیزی ہے؟ (انور تقریباً چیخ پڑتا ہے اور لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ زلیخا تن کر کھڑی ہوجاتی ہے) (انور سے) کون ہیں آپ؟

انور: (گھبراتے ہوئے) جی...... جی وہ..... وہ دراصل میں...... میں ہوں۔

زلیخا: ٹھہرئیے میں بتاتی ہوں آپ کون ہیں؟ آپ ہیں مسٹر..... (نام یاد نہ آنے پر انور کی طرف دیکھتی ہے)

انور: انور۔

زلیخا: ہاں مسٹر انور۔آپ پپا سے ملنے آئے ہیں۔

روشن: ابھی پپا سے سلام تک نہیں ہوا اور آپ کے ساتھ ناچ شروع ہوگیا۔

انور: معاف فرمائیے۔ دراصل بات......

زلیخا: shut up مجھے کہنے دیجیے۔(روشن سے) بھائی صاحب، آپ کو اس میں کیا اعتراض ہے۔ یہ دراصل کام کی تلاش میں آئے ہیں، اور میں ان کو انٹرویو کا ریہرسل کرا رہی تھی۔آدمی کافی اچھے ٹیسٹ کے معلوم ہوتے ہیں۔

روشن: ٹھیک ہے میں ان کو دیکھ لوں گا، تم اندر چلی جاو۔

زلیخا: کیوں؟

روشن: بس میں کہہ رہا ہوں چلی جاو۔

زلیخا: ٹھیک ہے (مٹکتے اور چٹکیاں بجاکر گنگناتے ہوئے اندر چلی جاتی ہے)

روشن: ۔(انور سے) آپ شاید ہمارے ہاں پہلی بار آئے ہیں۔

انور: ۔جی ہاں، بالکل پہلی بار (اس طرح کہتا ہے جیسے پہلی بار جرم کیا ہے اور اس کی معافی چاہ رہا ہے)

روشن: ٹھیک ہے بیٹھ جائیے۔

انور: جی؟

روشن: (ذرا اونچی آواز میں) بیٹھ جائیے۔

انور: شکریہ (بیٹھ جاتا ہے)

روشن: دیکھیے میری بہن زلیخا بہت شریر لڑکی ہے - یہاں جو بھی کوئی آتا ہے اسے اسی طرح بے وقوف بناتی ہے -

انور: جی!

روشن: ہاں بس اسی طرح - (ایک ٹھنڈی سانس بھر کر، فلمی ہیرو کا پوز بناتے ہوئے) اس سماج نے ہم کو تباہ کر دیا ہے -

انور: جی کیا فرمایا آپ نے؟

روشن: (انور کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہے، کچھ دیر سنجیدگی سے خلا میں گھورتا ہے، پھر کچھ رک کر) آج کل کے ماحول میں انسان کی زندگی ایک کھلونا بن کر رہ گئی ہے - ایک کھلونا (ٹھنڈی سانس) ماں باپ کے لاڈ و پیار اور غلط تربیت نے بچوں کو ہماری مہان ہتذیب سے دور کر دیا ہے جسے دیکھو انگلش میوزک، انگلش ڈانس، ٹوئیسٹ، راک اینڈ رول - ان سب نے مل کر ہماری ہتذیب کا اور ہماری کلا کا گلا گھونٹ دیا ہے اور ہمارے بزرگوں کی شان و عزت کو تباہ و برباد کر دیا ہے -

انور: دیکھئے اس میں میرا کوئی قصور نہیں -

روشن: (زور سے قہقہہ لگاتا ہے اور پھر یک لخت خاموش ہو کر) قصور؟ قصور آپ کا نہیں قصور میرا نہیں، قصور سارے سماج کا ہے، سارے اتہاس کا ہے - یہ تنگ و چست لباس...... کیا سمجھا آپ نے -

انور: جی ہاں.... یہ لباس -

روشن: (چیختے ہوئے) یہ تنگ اور چست لباس، یہ جسموں کی نمائش (انور سے) اور یہ بے حیائی -

انور: جی ہاں، اور یہ بے حیائی۔

روشن: یہ سب کیا ہے (بلند آواز میں) یہ سب کیا ہے؟

انور: (گھبراتے ہوئے) یہ کیا ہے یہ؟

روشن: یہ سب ڈھونگ ہے، فریب ہے، تماشہ ہے۔ انسان...... اپنے اونچے استھان سے بہت نیچے گر چکا ہے اُف (دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھانک لیتا ہے) یہ سب کچھ میں نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن میں ایک خاموش تماشائی بھی نہیں رہ سکتا۔

انور: ہرگز نہیں دیکھ سکتے آپ۔

روشن: میں کچھ کر کے رہوں گا۔

انور: یقیناً آپ کچھ کر کے رہیں گے

روشن: (انور کی طرف پلٹ کر، بلند آواز میں) لیکن میں کیا کر سکتا ہوں؟ آخر کیا کر سکتا ہوں؟ آپ کو معلوم ہے میں نے فلسفے سے ایم اے کیا ہے۔ مشرق و مغرب کا سارا لٹریچر پڑھ ڈالا ہے اور ایکٹنگ یعنی اداکاری میرا خاص فن ہے یہ سب کچھ کیوں ہے؟

انور: جی ہاں، یہ سب کچھ کیوں ہے؟

روشن: اس لیے کہ مجھ میں صلاحیت ہے۔

انور: بالکل صحیح فرمایا آپ نے۔

روشن: لیکن ٹریجیڈی یہ ہے کہ میں بالکل بیکار ہوں۔

انور: (چونک کر) آپ بیکار ہیں!! آپ تو نواب صاحب کے بیٹے ہیں نا؟

روشن: (اسی فلمی اداکاری کے انداز میں) نواب صاحب ۔۔۔ نواب صاحب کچھ نہیں کر سکتے میرا دکھ جدا ہے، میرا غم جدا ہے، میرا مقصد جدا ہے اور میرا آدرش جدا ہے (کچھ دھیمے لہجے میں) میں فلم بنانا چاہتا ہوں ۔ اپنے فن کی قدر چاہتا ہوں اپنے فن کے ذریعے ملک اور قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں ۔ لیکن میرا دکھ کون سمجھتا ہے ۔

انور: (ٹھنڈی سانس بھر کر) سچ فرمایا آپ نے ۔ میرا بھی کچھ ایسا ہی دکھ ہے ۔

روشن: (چونک کر پلٹتا ہے) کیا کہا تم نے ۔ تم کو ایکٹنگ کرنی آتی ہے ؟

انور: جی...... جی نہیں

روشن: ایکٹنگ کرنی نہیں آتی ؟

انور: جی نہیں ۔

روشن: اسی لیے تم زندگی میں ناکام رہے ہو ۔ ٹھیک ہے بیٹھ جاو ۔ میں تم کو بتاتا ہوں ۔ (انور بیٹھ جاتا ہے) انٹرویو میں تم سے تمھارا نام پوچھا جائے تو کس طرح جواب دو گے ۔

انور: اپنا نام بتا دوں گا ۔ انور مرزا ۔

روشن: یہیں تو لوگ ناکام ہوتے ہیں ۔ اس طرح نہیں ۔ نام بھی کہنے کے ڈھنگ ہوتے ہیں ۔ کوئی تم سے نام پوچھے تو کہنا (ایک خاص پوز بنا کر) میرا نام انور مرزا ہے) کہو اس طرح ۔

انور: (اس کی نقل کرتے ہوئے) میرا نام انور مرزا ہے ۔

روشن: آپ کے باپ کا نام؟

انور: جناب خوشتر مرزا مرحوم۔

روشن: افوہ۔اس طرح کہو۔(ایک ٹھنڈی سانس بھر کر) میرے والد بزرگوار، ہا، وہ تو کب کے چل بسے اس پیاری ہستی کا نام خوشتر مرزا مرحوم تھا۔ ہائے۔

انور: معاف فرمائیے۔نام مرحوم نہیں تھا۔وہ تو وفات کے بعد نام کے ساتھ مرحوم کہا جاتا ہے۔

روشن: کوئی فرق نہیں پڑتا۔خیر۔انٹرویو میں اگر تم سے کوئی پوچھے کہ دوسری جنگ عظیم کے بارے میں تم کیا جانتے ہو تو کیا کہو گے۔

انور: (سادا انداز میں) بتادوں گا کہ ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تھی اور جرمنی نے اس جنگ کا آغاز کیا تھا۔

روشن: افوہ! تم سے یہ ساری معلومات کون پوچھ رہا ہے۔جنگ کو تو ایک اندوہگیں منظر بنا کر پیش کرنا چاہیے۔دیکھو اس طرح کہو (اپنی جگہ سے کچھ ہٹ کر اور کھوئے ہوئے انداز میں) اف۔وہ جنگ۔جنگ عظیم۔انسان کا وحشیانہ کھیل جس نے ساری دنیا کا سہاگ لوٹ لیا۔وہ چھاتی پیٹتی ہوئی مائیں، وہ بازاروں میں بکتی ہوئی عورتیں، وہ بلبلاتے ہوئے بچے یہی تو جنگ عظیم کے نام ہیں، وہ زمین کا دہکتا ہوا سینہ، وہ ناگاساکی وہ ہیروشیما (سادا انداز میں انور سے) یہ کہہ کر خاموش ہو جاو۔کیوں کہ ہیروشیما کے بعد جنگ ختم ہو گئی۔

انور: واہ، واہ کیا نقشہ کھینچا ہے آپ نے میرا تو ابھی رونے کو جی چاہتا تھا

روشن: بالکل اسی طرح کہنا پڑے گا تم کو کہہ سکو گے؟

انور: کوشش کروں گا۔

روشن: تو پھر بتاؤ جنگ عظیم کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟

انور: ۔ میں گھر جا کر ریہرسل کر لوں گا۔

روشن: ۔یہاں کرنے میں کیا شرم ہے؟ میں دو منٹ میں تم کو ڈائرکٹ کر دوں گا

انور: معاف فرمائیے پھر کبھی۔

روشن: توبہ کیسا انسان ہے اچھا چلو۔ جیسے میں کرتا ہوں ویسے ہی کرنا (روشن کہنے لگتا ہے اور انور اس کی نقل کرتا ہے لیکن ٹھیک سے کر نہیں پاتا) اف ۔

انور: اف (بھونڈے انداز میں)

روشن: توبہ اف تک کہنا نہیں آتا تم کو پھر کہو، اف

انور: اف

روشن: یہ جنگ، یہ انسان کی جنگ عظیم

انور: (ٹھیک سے دہراتا ہے) روشن: ہاں، اسی طرح پہلے صرف اس ڈائیلاگ کی اچھی طرح ریہرسل کر لو۔ چلو بھی

انور: (اکیلا اس ڈائیلاگ کی ریہرسل کرنے لگ جاتا ہے، اسی وقت پروفیسر خیرات داخل ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر انور شرمندہ ہو جاتا ہے اور ریہرسل بند کر دیتا ہے۔ پروفیسر خیرات ۵۰، ۵۵ سال کے معمر آدمی ہیں۔ ان کے لمبے لمبے بال گردن پر پڑے ہوئے ہیں۔ چہرے پر لمبی ڈاڑھی اور اس

وقت وہ پیروں کو چھوتا ہوا ایک عمامہ پہنے ہوئے ہیں ان کی بغل میں ایک موٹی سی کتاب اور ایک دو فائلیں ہیں)

پروفیسر خیرات: (داخل ہوتے ہوئے روشن پر نظر ڈال کر) اوہو تم یہاں ہو؟

روشن: جی ہاں چچا جان

پروفیسر: اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے ابھی تک وہ رپورٹ مکمل نہیں کی۔

روشن: جی کون سی رپورٹ؟

پروفیسر: وہی جو میں نے یونائٹڈ نیشن کے سکریٹری جنرل اوتھاں کو لکھی ہے۔

روشن: وہ تو میں نے کل کی ڈاک سے بھیج دی۔

پروفیسر: کیا مذ‌ہب میرے دستخط لیے بغیر؟

روشن: اس کی میں نے ضرورت نہیں سمجھی for prof Khairat میں نے دستخط کر دیئے۔

پروفیسر: توبہ اب وہ بے چارے اوتھاں کیا سمجھیں گے (انور پر نظر ڈال کر) یہ کون صاحب ہیں۔

روشن: جی ہاں یہ ہیں جناب.....

پروفیسر: (اس کی بات کاٹ کر) تم کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔ یہ کون صاحب ہیں۔ تم اندر جاو میں نے ایک لیٹر

پریسیڈنٹ جانسن کو لکھا ہے وہ ٹائپ کردو اور اس کی ایک ایک کاپی مسٹر رِلسن، صدر ناصر اور صدر ہوچی من کو بھیج دو۔ جاو میں ان صاحب سے نپٹ لوں گا۔

روشن: میں ان کا تعارف تو کرادوں آپ سے

پروفیسر: ضرورت نہیں ۔ میں ان کو جانتا ہوں (روشن، جی اچھا کہتے ہوئے اندر چلا جاتا ہے ۔ پروفیسر انور سے) ہاں تو نوجوان تم میرا پیچھا نہیں چھوڑو گے

انور: جی، میں!

پروفیسر: میں خوب جانتا ہوں تم کون ہو۔ میں تم لوگوں سے تنگ آچکا ہوں ۔گھڑی بھر کا چین نہیں لینے دیتے

انور: جی میں تو پہلی بار یہاں حاضر ہوا ہوں

پروفیسر: (کڑک کر) سب جھوٹ ہے ۔ ہر کوئی یہی کہتا ہے۔ تم کس پریس کے رپورٹر ہو؟

انور: جی!! میں پریس رپورٹر!

پروفیسر: بننے کی کوشش مت کرو۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے تم کو جو کچھ پوچھنا ہے وہ جلدی سے پوچھ لو

انور: جی میں تو ایک معمولی......

پروفیسر: میں مساوات کا قائل ہوں، معمولی اور غیر معمولی میں میرے پاس کوئی فرق نہیں ۔ہاں البتہ باہر جتنے بھی پریس رپورٹر جمع ہیں ان سے جاکر

کہہ دو میں اس وقت ان سے نہیں مل سکتا۔

انور: جی، باہر تو کوئی نہیں ہے؟

پروفیسر: غلط بالکل غلط۔ دن بھر میں ہزار رپورٹرز میری تلاش میں یہاں چلے آتے ہیں۔ جاؤ جاکر کہہ دو۔

انور: ۔ یقین کیجئے باہر کوئی نہیں۔

پروفیسر: ۔ باتیں مت بناو۔ باہر جاکر کہہ دو۔

انور: ۔ جی میں....؟

پروفیسر: ۔ ہاں تم۔

انور: ۔ باہر۔

پروفیسر: ۔ ہاں باہر۔

انور: ۔ لیکن۔

پروفیسر: ۔ پہلے جھانکو باہر۔

انور: ۔ (دروازے کے قریب جاکر، باہر جھانکتے ہوئے اونچی آواز میں) دیکھئے حضرات، اس وقت جناب۔ (پروفیسر سے) معاف فرمائیے۔ آپ کا اسم گرامی۔

پروفیسر: ۔ افوہ تم میرا انٹرویو لینے آئے ہو، اور تم کو میرا نام تک معلوم نہیں، نئے معلوم ہوتے ہو۔

انور: ۔ جی ہاں، بالکل۔

پروفیسر: ۔ "پروفیسر خیرات" ۔ میرا نام ہے۔

انور:۔ (باہر جھانک کر دیکھیے حضرات، پروفیسر خیرات، اس وقت کسی پریس رپوٹر سے نہیں مل سکتے۔آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔

پروفیسر:۔ شاباش۔ اب میں اطمینان سے تمہیں انٹرویو دے سکتا ہوں۔بیٹھو۔

انور:۔(ڈرتے ڈرتے بیٹھ جاتا ہے) جی۔

پروفیسر:۔جی کیا؟ پوچھو کیا پوچھنا ہے۔

انور:۔ معاف فرمائیے۔مجھے آپ سے کیا پوچھنا چاہیے۔

پروفیسر:۔انٹرویو تم میرا لے رہے ہو یا میں تمہارا؟

انور:۔جی وہ تو میں لوں گا، لیکن دراصل بات یہ ہے... وہ نوکری...

پروفیسر:۔(زور سے ہنس پڑتا ہے) نوکری.... تم تو بڑے سمجھدار رپوٹر معلوم ہوتے ہو۔ میں اور کسی کی نوکری کروں گا۔ارے تم اس قدر جاہل ہو کہ تم مجھ جیسے مشہور زمانہ مفکر اور اپنی قوم کے لیڈر کو نہیں جانتے کس پریس سے آئے ہو۔P.U یا P.T.T سے؟

انور:۔جی وہ۔جی وہ

پروفیسر:۔ خیر چھوڑو تمہارا کیمرہ کہاں ہے؟

انور:۔جی کیمرہ!!

پروفیسر:۔کیوں خراب ہوگیا کیا؟ ٹھیک ہے۔کیمرے کا میں بندوبست کردوں گا۔ صرف ایک ہی فوٹو دوں گا۔زیادہ نہیں سمجھے۔

انور:۔ بڑی مہربانی آپ کی

پروفیسر: ۔پہلے انٹرویو ریکارڈ کرلو۔ لکھو۔

انور: ۔جی ابھی لکھتا ہوں(جیب سے پن نکالتا ہے اور کاغذ کے لیے اپنی جیبیں ٹٹولتا ہے)

پروفیسر: ۔پیپر تک ہنیں ہے تمہارے پاس۔

انور: ۔جی وہ..... میں جب یہاں آرہا تھا اس وقت جلدی میں اپنا بریف کیس لینا بھول گیا۔

پروفیسر: ۔خیر۔یہ لو(اپنی فائل سے کچھ کاغذات نکال کر دیتا ہے)

انور: ۔(کاغذات لے کر پروفیسر کا منہ تکنے لگتا ہے)

پروفیسر: ۔میرا منہ کیا تک رہے ہو کچھ پوچھو مجھ سے۔

انور: ۔جی ہاں..... وہ.....آپ کی پیدائش؟

پروفیسر: ۔پیدائش؟ساری دنیا جانتی ہے۔

انور: ۔(لکھتے ہوئے) پیدائش ساری دنیا جانتی ہے ۔ ہاں ، آپ کی تعلیم؟

پروفیسر: ۔خداداد قابلیت رکھنے والوں کو تعلیم کی ضرورت ہنیں ہوتی۔

انور: ۔آپ کی اولاد؟

پروفیسر: ۔ ساری قوم کو میں اپنی اولاد سمجھتا ہوں .... لیکن یہ کیا واہیات سوالات کر رہے ہو۔زندگی کے موجودہ مسائل پر کچھ پوچھو۔

انور: ۔جی ہاں حضور۔اتنا بتا دیجئے کہ بیروزگاروں کو نوکری کس طرح مل سکتی ہے؟

پروفیسر:۔ بے روزگاری کا مسئلہ ہمارا گھریلو مسئلہ ہے ۔ہم آپس میں بیٹھ کر اس کو حل کرلیں گے ۔اس سلسلہ میں ہم کسی بیرونی قوت کا بے جا دخل برداشت نہیں کرسکتے ۔ حتیٰ کہ U . N . O کو بھی یہ مسئلہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں ۔ ورنہ بیروزگاروں کا مسئلہ بھی ویت نام کا مسئلہ ہو کر رہ جائے گا۔

انور:۔ میرا مطلب U . N . O سے نہیں ۔ اپنی ذات سے ہے ۔

پروفیسر:۔ (چڑ کر) تم تو بالکل نو سکھ ہو ۔ جیسے لکھاتا ہوں ویسے لکھو ----نا ٹو ۔

انور:۔ (چونک کر) جی کیا فرمایا آپ نے؟

پروفیسر:۔ ناٹو، ناٹو ۔ تم ناٹو کو، نہیں جانتے؟

انور:۔ وہ تو میں جانتا ہوں، ناٹو دنیا کا سب سے بڑا آتش فشاں پہاڑ ہے

پروفیسر:۔ (زور سے ہنس پڑتا ہے) واہ کیا مثال دی ہے ۔ لکھو ۔ ناٹو دنیا کا سب سے بڑا جنگی جہاز ہے جس کو ڈبونے کے لیے جو بم پھینکا گیا اس کا نام ہے ڈیگال ۔

انور:۔ (دہراتے ہوئے لکھتا ہے) سب سے بڑا بم ڈیگال ہے؟ ڈیگال کے ساتھ پرتگال کے متعلق کیا خیال ہے آپ کا؟

پروفیسر:۔ پرتگال کی کوئی اہمیت نہیں،، ہاں چین کے ایک مشہور مفکر مسٹر چوں چوں کا کہنا ہے کہ ویت نام دراصل ایک مربہ کا نام ہے جسے امریکی لوگ چاٹ جانا چاہتے ہیں ۔ اور مرتبان خالی ہو چکا ہے ۔

انور:۔ (دہراتے ہوئے) مرتبان خالی ہو چکا ہے ۔

پروفیسر:۔ اس طرح وقت ضائع کرنا ٹھیک ہنیں ۔آج شام ALL PARTIES CONVENTION ہورہا ہے ۔اس میں مجھے صدارت کے لیے مجبور کیا گیا ہے ۔ تم میری تقریر قبل از وقت ریکارڈ کرلو ۔ تمہارے لیے ایک بہت بڑا کارنامہ ثابت ہوگا کہ سب سے پہلے صدر کی تقریر تم کو مل گئی ۔ تم کو ترقی ہو جائے گی۔

انور:۔(چونک کر) لیکن انٹرویو میں تقریر!

پروفیسر:۔ وہ کس کو معلوم ہوگا کہ تم نے تقریر کہاں ریکارڈ کی ہے ۔اچھا تو ایسا کرو، تم AUDIANCE بن جاو۔

انور:۔جی میں AUDIANCE ؟

پروفیسر:۔ہاں بنا AUDIANCE کے مجھے تقریر کرنے کی عادت ہنیں ہے تم ادھر بیٹھ جاو (انور کو ایک موزوں جگہ بیٹھنے کے لیے کہتا ہے اور خود تقریر کرنے کے انداز سے کھڑا ہوجاتا ہے ۔ اپنے سامنے ہزاروں کا مجمع تصور کرکے مسکراتے ہوئے سب کو نمستے کرتا ہے اور شانت رہنے کے لیے اشارہ کرتا ہے اور انور کو غصہ کی نظر سے دیکھتا ہے ۔ انور تالیاں بجانے لگتا ہے ۔ پروفیسر تقریر شروع کرتا ہے) بھائیو اور بہنو

انور:۔جی، میں تو صرف بھائیو ہوں۔

پروفیسر:۔ (انور سے) بہنوں کی ضرورت ہنیں (تقریر کے انداز میں) میرا دھنیہ واد سوئیکار کیجیے کہ آپ نے مجھے آج اس کنونشن کا صدر بنادیا۔ صدر تو میں پہلے بھی تھا اور آج بھی ہوں کیا زمانہ تھا۔ انگریزوں کا راج تھا، ظلم اور

ہتیاچار کا بول بالا تھا اور میں FAMILY PLANING کا صدر تھا ۔ مہاتما گاندھی اور نہرو جی جیسے مہان لیڈروں کے ساتھ میں جنگ آزادی لڑ رہا تھا ۔ لڑتے لڑتے میں ایک طرف نکل گیا ۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے ۔ کیوں؟؟ اس لیے کہ حق کی بات کڑوی لگتی ہے ۔ آزادی کسی کی جاگیر نہیں ۔ جاگیرداری کا مسئلہ جدا ہے اور آزادی کا جدا، مساوات کا جدا اور بیروزگاری کا جدا ۔

انور: (خوش ہو کر) ہاں بیروزگاری ۔

پروفیسر: (کڑک کر) چپ رہو ۔ (پھر تقریر کے انداز میں) ہاں ، بیروزگاری ، بھوک ، ہڑتال ، اور بمباری یہ ایسی بلائیں ہیں جو ہماری تہذیب کی بنیادوں کو ہلا دیتی ہیں کیا ان کو کوئی شریف آدمی برداشت کر سکتا ہے ؟ نہیں ، اس لیے کہ ہم اہنسا کے پجاری ہیں ۔ اس اصول نے ہم سب کو ایک راستہ بتایا ہے جس کی منزل قریب ہو یا دور ہم کو کام کرنا چاہئے باعمل بننا چاہیے ۔ کیوں کہ ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ انساں اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

لیکن میرے پاس ناری کو وہی حق حاصل ہے جو نر کو ہونا چاہیے ۔ ہم مساوات چاہتے ہیں ، مساوات نے ہم کو بتایا ہے کہ پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں ۔ ان پانچ انگلیوں میں وہ شکتی اور قوت ہے کہ ہم ہر مسئلہ حل کر سکتے ہیں ۔ آپ کا ہر مسئلہ میں حل کر دوں گا ۔ اس لیے آپ مجھے ووٹ دیجیے ۔ (انور

جوش میں آکر تالیاں بجانے لگتا ہے)

پروفیسر: (خوش ہوکر) پوری تقریر ریکارڈ کرلی؟

انور: جی ہاں۔

پروفیسر: شاباش۔آج ہی اپنے اخبار میں یہ تقریر چھپوادو۔پہلے صفحے پر ہونا چاہیے۔ورنہ میں تمام اخبار والوں سے کہہ دوں گا کہ تم نے یہ تقریر میرے گھر سے چرالی تھی۔چور کہیں کے۔

انور: جی میں چور؟

پروفیسر: ہاں چور (ہنستا ہے) اب تم جاسکتے ہو۔

انور: جی اچھا...... لیکن وہ...... نواب صاحب۔

پروفیسر: ۔کون نواب صاحب؟ آج اس دنیا میں کوئی نواب صاحب ہنیں۔جاو۔

انور: ۔ابھی جاتا ہوں لیکن ذرا وہ ہمارے نواب صاحب....

پروفیسر: ۔کون بھائی صاحب؟

انور: ۔جی ہاں، جی ہاں۔

پروفیسر: ۔کیا ہوا ان کو؟ وہ تو اچھے خاصے ہیں۔

انور: ۔ہاں، ہاں، خدا ان کو سلامت رکھے میں۔... ذرا.....

(صغیر داخل ہوتا ہے، وہ بے حد پریشان ہے)

صغیر: ۔(تیزی سے چلتے ہوئے آکر پروفیسر سے) سرکار.... سرکار.... وہ بڑے سرکار پر دورہ پڑگیا۔

پروفیسر: ۔کیا بکتا ہے؟

صغیر: ۔جی ہاں، جی نہیں.... میں نہیں بڑے سرکار بک رہے ہیں۔

پروفیسر: ۔بڑے سرکار بک رہے ہیں۔(تیزی سے اندر چلا جاتا ہے)

(اندر سے کچھ عجیب و غریب آوازیں آتی ہیں جیسے کوئی بے حد طیش کے عالم میں کسی کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہا ہو۔ انور آوازیں سن کر ہراساں ہو جاتا ہے)

انور: ۔(صغیر سے) یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

صغیر: ۔(اسی پریشانی میں) جی وہ نواب صاحب پر دورہ پڑ گیا ہے۔

انور: ۔کیسا دورہ؟

صغیر: ۔جی وہ دماغ کا دورہ۔آپ اس وقت چلے جائیے۔

انور: ۔میں تو چلا جاؤں گا لیکن یہ تو بتاؤ قصہ کیا ہے؟

صغیر: ۔یہ سب کچھ بتانے کا وقت نہیں صاحب۔ جائیے۔

انور: ۔کچھ تو بتاؤ۔

صغیر: ۔اجی صاحب۔ جب سے جاگیرداری ختم ہوئی اور اس کا معاوضہ بھی بند ہو گیا ہے۔ نواب صاحب پر یہ دورہ پڑنے لگا ہے۔ ایک پیسے کی آمدنی نہیں اور اب بھی ان لوگوں کے ٹھاٹھ نوابوں کے ہیں۔ خود میرے وہ مقروض ہو گئے ہیں۔ ایک سال سے مجھے تنخواہ نہیں۔

انور: ۔اور دوسرے سب؟

صغیر: ۔ان سب کو تو آپ نے دیکھ ہی لیا۔ سب کا دماغ چل گیا ہے..... سب کے سب بیکار ہیں، کسی کی کوئی آمدنی نہیں۔ ان سب نے اپنا راستہ

بنالیاہے ۔ اپنی اپنی شان نبھارہے ہیں، اور زندگی گزار رہے ہیں ۔

انور: ۔ لیکن اب اس سفارشی خط کا کیا ہوگا ۔ (جیب سے خط نکال کر بتاتا ہے)

صغیر: ۔ اجی صاحب آپ بھی کدھر آگئے ۔ زمانہ بدل گیاہے ، سفارش کے لیے تو کسی لیڈر یا منسٹر کے پاس چلے جاتے ۔

انور: ۔ ٹھیک ہے ۔ اچھا یہ تو بتاو ۔ وہ جو لڑکی آئی تھی وہ نواب صاحب کی بیٹی ہے نا؟

صغیر: ۔ جی ہاں ۔

انور: ۔ اس کی شادی ہوگئی ہے؟

صغیر جی ہنیں ۔

انور: ۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) اچھا تو پھر چلتے ہیں ۔

صغیر: ۔ لیکن جناب کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں؟ شاید میں بھی کبھی آپ کے کام آجاؤں ۔

انور: ۔ ہاں ہاں ، کیوں ہنیں ضرور ۔

صغیر: ۔ دیکھیے وہ .... (اندر سے پھر یک لخت چیخنے چلانے کی آوازیں آتی ہیں ۔ کوئی صغیر کو کڑک کر بلاتا ہے ۔ صغیر گھبرا کر بلند آواز میں) جی آیا حضور (اندر جانے کو پلٹتا ہے تو انور اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دیتا ہے)

انور: ۔ یہ تو بتاو تم کو کیا چاہیے ۔

صغیر: ۔ (جلدی میں) پھر کبھی ۔ پھر کبھی (اندر جاتے جاتے پھر پلٹ آتا

ہے) دراصل دراصل صاحب میں بھی بیکار ہوں مجھے کوئی کام دلا سکتے ہیں آپ؟

انور: ۔ کام اور میں (زور سے ہنس دیتا ہے) اچھا اچھا میں تمہارے لیے کوشش کروں گا ۔ (جیب سے ایک لفافہ نکال کر) اس لفافہ پر میرا پتہ لکھا ہوا ہے ۔ تم رکھ لو ۔ وہاں آکر مجھ سے مل لینا ۔

صغیر: ۔ (لفافہ لے کر اس پر لکھا ہوا پتہ بلند آواز میں پڑھتا ہے)

کاشانۂ بے روزگار

محلہ مکھی ماران ۔ رو برو سیٹھ چنے والا

کھولی ۴ کھٹیا ۸

(دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے ہیں ۔ اندر سے اور زیادہ بلند اور غصیلی آوازیں آتی ہیں ۔ دونوں چونک پڑتے ہیں اور تیزی سے صغیر اندر چلا جاتا ہے اور انور باہر)

(پردہ)

رہے اس طرح بےنشاں زندگی میں
نشاں بن گئی بےنشانی ہماری



تری بزم میں آج ہر اہل دل کی
زباں بن گئی بےزبانی ہماری

مصنف کی دیگر کتابیں

(۱) لہو آستیں کا ۔ "ناول"
(۲) بڑا آدمی ۔ "ناول"
(۳) تین موسم پت جھڑ کے۔ جھوٹا ساون ایک "طویل کہانیاں"
(۴) THE GOLD - (ENGLISH)
(۵) DIOMOND DUST - (ENGLISH)
(۶) جنگ کے بعد (ڈراموں کا مجموعہ)

آنے والی کتابیں

ننگے سچ کی ننگی کہانیاں
ایسا شستہ مذاق (طنز و مزاح، مطبوعہ مضامین کا مجموعہ)
پہلا منظر (تہذیب کے آخری دور کا) تین ایکٹ کا ڈراما۔
موم کا عجائب گھر۔ شخصیات۔ (مضامین)
AS I THINK TODAY - (انگلش مضامین کا مجموعہ)